ماہنامہ

دلیلِ راہ

لاہور

دسمبر 2022ء - جمادی الاوّل 1444ھ

اے بی سی تصدیق شدہ اشاعت CPL.No:406

ماہنامہ
دلیلِ راہ
لاہور

شمارہ 12 | دسمبر 2022ء | جلد 30

مدیر اعلیٰ
سید ریاض حسین شاہ

ہرچہ من در بزمِ شوق آوردہ ام

1	دعا و نعت	عاصی کرنالی، اظہر قدوس	2
2	گفتنی و ناگفتنی	سید ریاض حسین شاہ	3
3	تبصرہ و تذکرہ	سید ریاض حسین شاہ	6
4	درس حدیث	حافظ سخی احمد	11
5	حضرت سخی سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ	ناعمہ منظور	12
6	ہدیۂ حروف	سید ریاض حسین شاہ	18
7	تجارت اور اصولِ تجارت	ڈاکٹر محمد اظہر نعیم	20
8	غازی علم الدین شہید	مسعود چوہدری	23
9	سنابل نور	سید ریاض حسین شاہ	25
10	رپورٹ	ڈاکٹر منظور حسین اختر	26
11	دعا	آصف بلال آصف	31
12	صبح پڑھو قرآن، شام پڑھو قرآن	ماسٹر احسان الٰہی	34
13	یادیں باتیں	حافظ شیخ محمد قاسم	38
14	نعتیہ کلام پر تبصرہ	سعید بدر	39

مشیر ادارت

ڈاکٹر رضا فاروقی

مجلسِ اعزاز

- علامہ حافظ نور محمد بندیالوی
- محمد نواز کھرل
- سید قیصر عباس شاہ
- حافظ سخی احمد
- انجینئر سرفراز احمد ضیغم
- حافظ محمد زبیر اعوان
- ارشد محمود ارشد
- احد شریف • شیخ محمد راشد

ادارتی معاونین

- ابو محی الدین
- ڈاکٹر منظور حسین اختر
- طالب حسین مرزا
- خادم حسین مرزا
- حافظ محمد عفان منظور

قیمت فی شمارہ

30 روپے

سالانہ خریدار بمعہ ڈاک خرچ

=/450 روپے

بیرون ملک سالانہ

150 ڈالر، 80 پونڈز

رابطہ دفتر: اتفاق اسلامک سنٹر، ایچ بلاک، ماڈل ٹاؤن، لاہور فون: 0322-4301986, 042-35838038

ہیڈ آفس : ادارہ تعلیمات اسلامیہ سیکٹر نمبر 3، خیابان سرسید راولپنڈی فون: 051-4831112

E-mail: daleelerah@gmail.com Online Edition: www.daleelerah.com

پبلشر سید ریاض حسین شاہ نے گنج شکر پرنٹرز سے چھپوا کر ماڈل ٹاؤن لاہور سے شائع کیا

دعا

تو نفس نفس میری کر مدد ، تو قدم قدم میرا ساتھ دے
مجھے ہر ملال سے دور رکھ ، مجھے ہر الم سے نجات دے
جو بصیرتوں کو حسیں کرے ، جو سماعتوں میں چمن بھرے
میرے ذہن ودل کو وہ سوچ دے، میرے نطق ولب کو وہ بات دے
ہرے موسموں میں گزر کروں ، بھرے گلشنوں میں بسر کروں
مجھے نخلِ سبز میں ڈھال دے، مجھے پھول دے مجھے پات دے
جو ہو خندہ ریز و طرب فزا، جو ہو مہ جبین و ستارہ زا
مجھے صبح دے تو وہ صبح دے، مجھے رات دے تو وہ رات دے
مجھے سیم و زر کی طلب نہیں ، مجھے منصبوں کی ہوس نہیں
میرے دشمنوں کو شریف کر، مجھے دوست نیک صفات دے
ترے باغ وراغ کی خیر ہو، تیرے سارے پھول کھلے رہیں
مرے خار کو گلِ تر بنا ، مرے گل کو رنگِ ثبات دے
مَیں کِسی کے کام نہ آسکوں تو بجھا دے شعلۂ جاں مرا
میں کسی کو راہ دکھا سکوں تو مجھے چراغِ حیات دے
نہ ہے افتخارِ نسب مجھے ، نہ قصیدہ خوانِ شہاں ہوں میں
میں گدائے کاسہ بکف نہیں ، مجھے صرف جوہرِ ذات دے
مری ارض پاک میں چار سُو ، رہے پیار، امن ، سلامتی
وہ جو خیر خواہِ وطن نہ ہو اُسے موت دے ، اُسے موت دے

عاصی کرنالی

نعت

ماہ عرب جو تم ہو سینہ میں جلوہ آرا
ہر داغِ دل چمک کر بن جائے چاند تارا

افلاک پر قمر کا دل ہو گیا دو پارا
اللہ رے تمہاری انگلی کا ایک اشارا

نقش قدم سے تیرے اے مہ جبیں دل آرا
طیبہ کا ذرہ ذرہ ہے عرش کا ستارا

میں جوش تشنگی میں پھر پھر کے دیکھتا تھا
ساقی نے بھر کے ساغر شاید مجھے پکارا

لے کام ہوش سے کچھ سوئے مدینہ آ جا
دیوانے ہند میں کیوں پھرتا ہے مارا مارا

اظہر ہے روزِ محشر ہر سمت نفسی نفسی
ہے کون جز محمد فریاد رس ہمارا

اظہر قدوس بدایونی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

چراغ کو تم بجھا نہ دینا

رشک خدامت، فخر خدمت اور بوئے رفاقت حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

رسول انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوۂ حنین سے واپسی کی راہوں میں تھے، میں اور لوگوں کی معیت میں آپ کی گرد پا کو سرمۂ چشم بنانے کی سعادت حاصل کر رہا تھا۔ کچھ دیہاتی لوگ دیکھے گئے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تعاقب کر رہے ہیں اور مسلسل آپ سے مانگے جا رہے ہیں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک کیکر کے درخت کے پاس سے گزرنے لگے تو آپ کی مبارک چادر جھاڑ اور خار ہائے ببولاں سے الجھ گئی،

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ادھر ہی رک گئے اور فرمانے لگے:

''میری چادر چھڑا دو''

یہ جملہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے دلوں میں یقیناً کانٹے ہی کی طرح پیوست ہوا ہوگا اور وہ کتنی تیز رفتاری کے ساتھ آگے بڑھے ہوں گے اور چادر فگار نفس کے بوسے لینے لگ گئے ہوں گے لیکن دفعتہً رحمت عالمیاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لفظوں نے لبوں کو چھو کر اعلان کر دیا:

''دامن پھیلاؤ کوثر عطا کے بحرِ بے پایاں میں تموج ہے۔ یہی وقت ہے بخت اُجالنے کا اور خزانے سمیٹنے کا، خیر سے ارشاد ہوا:

''اگر کیکر کے درختوں کے ساتھ جو پتے ہیں ان کے برابر بھی اونٹ اور مویشی ہوتے تو میں وہ بھی تم میں تقسیم کر دیتا اور تم دیکھ لیتے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ بخیل ہیں، نہ دروغ گو ہیں اور نہ ہی بزدل''۔

یہ اشارہ اس طرف تھا کہ میں مال کو کبھی بھی تم سے روک کر نہیں رکھتا اور نہ ہی میں مال جمع کرتا ہوں۔

اسد القادری نے مسلمانوں کے اسی مزاج کی عکاسی یوں کی ہے:

اللہ نے لکھ کر میری قسمت میں فقیری
فرمایا مزاج اس کا شاہانہ بنا دو

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث سے یہ راز کھلا:

''بخیل ہونا جھوٹا ہونا اور بزدل ہونا حسن مجاز کی گرمی میں پگھلتا نغمہ ہے''۔

چاندنی حسن کا بادلوں کی اوٹ میں ادبی سرقہ ہے۔ ہوس زر کے دفینوں کو زندگی کے آنگن میں منتقل کرنا ہے۔ بخیل مال کی محبت میں اپنے اصلی مقام سے گھٹ جاتا ہے اور بزدل اپنی جان کے خوف سے اندر ہی اندر پگھل جاتا ہے اور جھوٹا شخص اعلیٰ و بالا اخلاق کی چوکھٹ سے ہٹ جاتا ہے۔ بس یہ لوگ ایک ساگر میں ساری زندگی بند رہتے ہیں۔ جہاں پانی آگے نہیں بہا تا بس جھکولوں پر جھکولے دیے جاتا ہے۔ اس ساگر میں فیض ہوتا ہے اور نہ روانی اور نہ ہی جوانی۔

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں بھی کیکر، ببول اور کانٹے دار جھاڑ کثرت سے تھے جو الجھتے ہوئے تمیز نہیں کرتے تھے کہ جس دامن سے وہ الجھ رہے ہیں وہ کس کی ''ردائے رحمت'' سے ڈھل کر بنا ہے ۔ وہ معاشرہ عجیب ہوتا ہے جس میں پیکر رحمت کو بھی کہنا پڑ جائے:

''میری چادر چھڑا دو''

لیکن گلاب کے کانٹوں اور گلاب کی پتیوں میں بڑا فرق ہوتا ہے، یہاں سب کچھ بھولنا پڑتا ہے۔ کبھی کبھی تو انگلیوں کے پورے کانٹوں کی شوخیوں سے زخمی ہونے کے مواقع خود فراہم کرنے پڑتے ہیں۔

پل پل چھن چھن من کے بیری
بیٹھے لگائے گھات
ان سے کیسے کہوں کوئی بات

دکھیاروں کی باتیں سننے کے لیے جب سب دروازے بند ہو جائیں تو بندہ ہائے ہائے کرتا کہاں جائے، کدھر نکلے، فقیروں کے جھونپڑے پیروں کے تاج محل ہو جائیں، عشق کی آہیں بندہ گیری اور بندہ بازی کی تسبیحاتی ڈوریاں بن جائیں، جس زمانے میں سلطانی اور فقیری دونوں عیاری ہو جائیں اس دور میں ''رحمۃ للعٰلمینی'' کی ضرورت انسانی قافلوں کی اصل ضرورت بن جاتی ہے۔

بیتی کس کی سنی بے بس کی
دور ہے دل سے دنیا اس کی
ان سے کہے کیوں کوئی بات

کہتے ہیں ابراہیم بن ادھم ایک دفعہ حجام سے بال کٹوا رہے تھے۔ رفیق سفر نے کہا: اسے معاوضہ میں کچھ عطا فرما دیں۔ آپ نے ایک تھیلی اشرفیوں کی اٹھائی اور اسے دے دی۔ اسی اثنا میں ایک سائل نے سوال داغ دیا، حجام نے وہ تھیلی اسے دے دی۔ اس پر حضرت ابراہیم نے کہا: اس تھیلی میں تو اشرفیاں تھیں۔ حجام نے کہا: اس کا علم مجھے ہے لیکن سوچتا ہوں آدمی دل سے غنی ہوتا ہے نہ کہ دولت سے۔ لگتا ہے میں جس کی راہ میں لٹاتا ہوں اس سے آپ ناواقف ہیں۔

ابراہیم بن ادھم فرماتے ہیں: حجام کا یہ جملہ سن کر مجھے بڑی ندامت ہوئی اور میں نے اپنے نفس کو آواز دی اور سمجھایا:

''جیسا تو نے کیا
تجھے ویسی ہی سزا ملی''

حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''مخلوق تو ساری اللہ کا کنبہ ہے''۔

اللہ کے نزدیک محبوب ترین وہی شخص ہے جو اپنے کنبے کے ساتھ بہترین سلوک فرمائے۔ اللہ کبھی بھی اپنے کنبے کو محروم نہیں فرماتا۔

یہ فیصلہ انتہائی اہم فیصلہ ہوتا ہے کہ بندہ سوچ لے کہ اس نے سب کچھ اللہ کے دین کے لیے لگا کر اسے آگے بھیج دینا ہے یا دنیا ہی میں سب کچھ کھپا کر سب کچھ ادھر ہی فنا کر دینا ہے۔۔۔۔!!!

دانائی تو آخرت کے لیے
اچھی سوچوں کو عملی صورت دینا ہے۔

سید ریاض حسین شاہ

سید ریاض حسین شاہ

حرف حرف روشنی

سید ریاض حسین شاہ

سید ریاض حسین شاہ قرآن مجید وفرقان حمید کی تفسیر ''تبصرہ'' کے عنوان سے تحریر کر رہے ہیں۔ ان کا اسلوب نگارش منفرد اور دیگر مفسرین سے مختلف بھی ہے اور دلچسپ بھی۔ انداز بیان سادہ اور دلکش ہے جس میں رموز ومعانی کا سمندر موجزن ہوتا ہے۔ ذیل میں ہم قارئین کی دلچسپی کے لیے سورۂ آل عمران کی آیت نمبر 124 تا 132 کی تفسیر پیش کر رہے ہیں۔ (ادارہ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِذۡ تَقُوۡلُ لِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَلَنۡ یَّکۡفِیَکُمۡ اَنۡ یُّمِدَّکُمۡ رَبُّکُمۡ بِثَلٰثَۃِ اٰلٰفٍ مِّنَ الۡمَلٰٓئِکَۃِ مُنۡزَلِیۡنَ ﴿۱۲۴﴾ بَلٰۤی ۙ اِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَ تَتَّقُوۡا وَ یَاۡتُوۡکُمۡ مِّنۡ فَوۡرِہِمۡ ہٰذَا یُمۡدِدۡکُمۡ رَبُّکُمۡ بِخَمۡسَۃِ اٰلٰفٍ مِّنَ الۡمَلٰٓئِکَۃِ مُسَوِّمِیۡنَ ﴿۱۲۵﴾ وَ مَا جَعَلَہُ اللّٰہُ اِلَّا بُشۡرٰی لَکُمۡ وَ لِتَطۡمَئِنَّ قُلُوۡبُکُمۡ بِہٖ ؕ وَ مَا النَّصۡرُ اِلَّا مِنۡ عِنۡدِ اللّٰہِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَکِیۡمِ ﴿۱۲۶﴾ لِیَقۡطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اَوۡ یَکۡبِتَہُمۡ فَیَنۡقَلِبُوۡا خَآئِبِیۡنَ ﴿۱۲۷﴾ لَیۡسَ لَکَ مِنَ الۡاَمۡرِ شَیۡءٌ اَوۡ یَتُوۡبَ عَلَیۡہِمۡ اَوۡ یُعَذِّبَہُمۡ فَاِنَّہُمۡ ظٰلِمُوۡنَ ﴿۱۲۸﴾ وَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ یَغۡفِرُ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَ یُعَذِّبُ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰہُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۱۲۹﴾ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَاۡکُلُوا الرِّبٰوۤا اَضۡعَافًا مُّضٰعَفَۃً ۪ وَّ اتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ﴿۱۳۰﴾ وَ اتَّقُوا النَّارَ الَّتِیۡۤ اُعِدَّتۡ لِلۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۱۳۱﴾ وَ اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَ الرَّسُوۡلَ لَعَلَّکُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ﴿۱۳۲﴾

''وہ بھی کیا منظر تھا جب آپ مومنوں سے فرماتے تھے کیا تمہارے لیے یہ کافی نہیں کہ تمہارا ربّ تین ہزار فرشتے اتار کر تمہاری مدد کرے، ہاں اگر تم صبر کرو اور پرہیز گاری اپنائے رکھو اور وہ تم پر بغیر بتائے تیزی سے آ دھمکیں تو ربّ تمہارا اس سے بھی جلدی مخصوص نشان رکھنے والے پانچ ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد فرمائے گا اور اسے اللہ نے نہیں بنایا مگر تمہاری خوشی کے لیے اور اس لیے بھی کہ تمہارے دل اس سے مطمئن ہو جائیں اور مدد غالب حکمت والے اللہ ہی کی طرف سے ہو سکتی ہے، یہ اس لیے تھا تاکہ وہ کافروں کا ایک حصّہ کاٹ دے یا انہیں ذلیل کر کے ہلاک کر دے سو وہ نامراد واپس لوٹیں، آپ کے لیے اس معاملہ میں کوئی باعثِ پریشانی نہیں یا تو وہ انہیں توبہ کی توفیق دے یا انہیں سزا دے وہ لوگ تو ظالم ہیں اور اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے، وہ بخش دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور عذاب دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ بہت ہی بخشنے والا مہربان ہے، اے ایمان والو! سود دُونا دُون نہ کھاؤ اور ڈرو اللہ سے تاکہ تمہاری کامیابی ہو اور ڈرو اس آگ سے جو کفر کرنے والوں کے لیے تیار کی گئی ہے اور اطاعت کرو اللہ اور رسول کی تاکہ تم پر رحم کیا جائے''۔

اِذۡ تَقُوۡلُ لِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَلَنۡ یَّکۡفِیَکُمۡ اَنۡ یُّمِدَّکُمۡ رَبُّکُمۡ بِثَلٰثَۃِ اٰلٰفٍ مِّنَ الۡمَلٰٓئِکَۃِ مُنۡزَلِیۡنَ ﴿۱۲۴﴾ ؕ

''وہ بھی کیا منظر تھا جب آپ مومنوں سے فرماتے تھے کیا تمہارے لیے یہ کافی نہیں کہ تمہارا ربّ تین ہزار فرشتے اتار کر تمہاری مدد کرے''۔

آیت میں فرشتوں کی نزول اور ہبوط کی بات کی گئی ہے۔ یقین افزائی، ہمت سازی اور ایمان نوازی کے یہ سارے جلوے ہیں۔ مختلف مقامات پر فرشتوں کی تعداد کبھی ایک ہزار اور کبھی تین ہزار اور اگلی آیت میں پانچ ہزار اللہ کی مدد کے نشانات ہیں۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے خطبہ ارشاد فرمایا اور تسکین قلوب کا رنگ بکھیرا۔ آپ نے اظہار میں یوں جلوے سموئے (426):

''بدر والے دن میں کنویں سے پانی کھینچ رہا تھا کہ تیز ہوا آئی جس کی مثل میں نے کبھی نہ دیکھی تھی۔ دوبارہ میں نے محسوس کیا کہ پہلے کی طرح ہوا آئی اور چلی گئی۔ یوں انہوں نے مکرر ذکر فرمایا کہ تیز ہوا چلی پس پہلی ہوا کے وقت جبرائیل ہزار فرشتوں کے ساتھ اترے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ لشکر میں شامل ہو گئے۔ دوسری ہوا کے وقت حضرت میکائیل ہزار فرشتوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دائیں طرف اترے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اسی جانب تھے۔ تیسری ہوا کے وقت اسرافیل علیہ السلام ایک ہزار فرشتوں کے ہمراہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بائیں جانب آ کھڑے ہوئے میں علی رضی اللہ عنہ بھی اسی جانب تھا''۔

قرآن مجید کہتا ہے کہ یہ سب اللہ کی مدد کا جلوہ تھا۔ واللہ اعلم

بَلٰۤی ۙ اِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَ تَتَّقُوۡا وَ یَاۡتُوۡکُمۡ مِّنۡ فَوۡرِہِمۡ ہٰذَا یُمۡدِدۡکُمۡ رَبُّکُمۡ بِخَمۡسَۃِ اٰلٰفٍ مِّنَ الۡمَلٰٓئِکَۃِ مُسَوِّمِیۡنَ ﴿۱۲۵﴾

''ہاں اگر تم صبر کرو اور پرہیز گاری اپنائے رکھو اور وہ تم پر بغیر بتائے تیزی سے آ دھمکیں تو ربّ تمہارا اس سے بھی جلدی مخصوص نشان رکھنے والے پانچ ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد فرمائے گا''۔

علامہ فخر الدین رازی نے س لکھا کہ پانچ ہزار فرشتوں کے نزول کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں تین شرطوں سے مربوط کر دیا:

☆ پہلی شرط یہ کہ اگر تم نے صبر ومصابرہ سے کام لیا یعنی ڈٹے رہے اور جم کر دشمن کا مقابلہ کیا تو مزید کمک اور مدد اللہ تعالیٰ اتارے گا۔

☆ دوسری شرط یہ کہ تم تقویٰ کے پابند رہے یعنی تمہارے باطن روحانی اعتبار سے اللہ کی بندگی اور محبت سے مربوط رہے اور اطاعت نبی ﷺ پر دوام استقامت رہا۔

☆ اور تیسری شرط یہ کہ کافروں نے فوری اگر تم پر حملہ کر دیا۔ رازی لکھتے ہیں کہ تیسری شرط نہ پائے جانے کی وجہ سے فرشتوں کی تعداد پانچ ہزار پوری نہ ہوئی بلکہ تین ہزار ہی تعداد رہی (427)۔

علامہ فخر الدین رازی کے علاوہ مفسرین نے پانچ ہزار فرشتوں کی مدد پر صاد کیا اور اس نعمت کے اتمام کا قول کیا (428)۔ اصل بات ربّ کریم کی مدد پر یقین واعتماد ہے۔ فرشتہ تو ایک بھی کافی ہوتا ہے اصل چیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے محمد ﷺ کی بات کی تائید ہے۔ آپ نے مسلمانوں کو جو اُمید دلائی تھی وہ اللہ کی رحمت اور مدد کے بھروسے پر دلائی تھی کہ یہ تین سو آدمیوں کی قلت اللہ نے فرشتوں سے دور فرما دی، قرآن کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ سے کیا ہوا وعدہ پورا فرما دیا۔ پہلے تین ہزار پھر تعداد پانچ ہزار کر دی گئی۔

واللہ اعلم

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ۭ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝

''اور اسے اللہ نے نہیں بنایا مگر تمہاری خوشی کے لیے اور اس لیے بھی کہ تمہارے دل اس سے مطمئن ہو جائیں اور مدد غالب حکمت والے اللہ ہی کی طرف سے ہو سکتی ہے''۔

علامہ ابوالبقا عکبری نے اپنی تفسیر میں ''جَعَلَهُ'' میں ''ھا'' ضمیر کا مرجع چار چیزیں لکھی ہیں (429):

☆ پہلی صورت یہ ہے کہ اس کا اطلاق مدد پر ہوتا ہے یعنی اللہ نے جو مدد کا سلسلہ قائم فرمایا ہے وہ مجاہدین کی خوشی، مسرت اور بشارت کے لیے ہے ایسی روحانی مددیں صرف غلامان رسالت کے لیے ہیں۔

☆ دوسری صورت یہ ہے کہ اس کا اطلاق ''تسویم'' پر ہوتا ہے۔ فرشتوں کو ''مُسَوِّمِيْنَ'' کہا گیا، جیسے گھوڑے اعلیٰ نسل کے ہوں تو وہ نشان دار ہوتے ہیں۔ فرشتوں کی تسویم اس لیے ہوئی کہ شرکائے جہاد کو خوشی حاصل ہو کہ فرشتوں کے رینک بھی جس جنگ کی وجہ سے بڑھے مجاہدین کی فضیلت کا عالم کیا ہوگا۔

☆ تیسری صورت یہ ہے کہ اس کا اطلاق ''نصرت'' پر ہوگا۔ اشارہ اس طرف ہے کہ لڑے تو مجاہدین اپنی ہمت سے ہیں، رہ گئی یہ فرشتوں کی مدد تو یہ تسکین قلب کے لیے تھی کہ ہم اکیلے اور تنہا نہیں اللہ کی مدد ساتھ ساتھ ہے۔

☆ چوتھی صورت یہ ہے کہ ضمیر ''تنزیل'' کی طرف لوٹتی ہے۔ اس صورت میں معنیٰ یہ ہوگا کہ اللہ نے فرشتوں کے نزول وہبوط کو مجاہدین کے لیے خوشخبری بنا دیا۔ اس سے پہلے ان کے دلوں میں قلت عددی کا وسوسہ آ سکتا تھا، فرشتوں کا اترنا ان کے لیے جمعیت روحی کا سبب بن گیا۔

آیت میں یہ کہنا کہ ''مدد نہیں ہے مگر اللہ کی طرف سے'' یہ حسن تربیت ہے، یہ فکری ثمر کی مٹھاس ہے، یہ اعتقاد راسخہ کی علامت ہے کہ مسلمان مجاہدین صرف اسباب میں نہ الجھ جائیں، ان کی نظر مسبب الاسباب کی دہلیز سے اکھڑ نہ جائے۔ آیت کا عمود گویا یہ ہوا کہ بندے کا ایمان اسی وقت کامل ہوتا ہے جب وہ مؤثر حقیقی سے مربوط ہوتا ہے۔

آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی دو صفتیں ذکر فرمائیں: ایک ''الْعَزِيْزِ'' اور دوسری ''الْحَكِيْمِ''۔ پہلی سے کمال قدرت کی طرف اشارہ ہے اور دوسری سے کمال علم کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔ اللہ اپنے بندوں کی حاجات اور ضرورتوں کو جانتا ہے، صرف جانتا ہی نہیں ضرورتوں کی وہ تکمیل بھی فرماتا ہے (430)۔

لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَاۗىِٕبِيْنَ ۝

''یہ اس لیے تھا تاکہ وہ کافروں کا ایک حصّہ کاٹ دے یا انہیں ذلیل کر کے ہلاک کر دے سو وہ نامراد واپس لوٹیں''۔

قرآن مجید کی اس آیت میں فرشتوں کے ذریعے مسلمانوں کی مدد کا مقصد بیان کیا جا رہا ہے کہ یہ اہتمام اس لیے ہو رہا ہے تاکہ اللہ کافروں کو نیست ونابود کر دے یا کم از کم اتنا ضرور ہو جائے کہ ان کی طاقت کا ایک حصہ ٹوٹ جائے، یہ مقصود حربی تمہارے دلوں میں مزید اطمینان پیدا کرے گا۔ ''يَكْبِتَهُمْ'' کا معنیٰ جلالین نے شکست دے کر ذلیل وخوار کرنا لکھا ہے (431)۔

صاوی نے لکھا کہ ''الکبت'' اصل میں ''الکبد'' ہے دال کو تا سے بدل دیا گیا ہے۔

''الکبد'' جگر یا کلیجے کو کہہ دیتے ہیں۔ محاورۃً ''کبت'' اس غیظ وغضب کے لیے استعمال ہو جاتا ہے جس سے جگر اور کلیجہ جل اٹھے (432)۔

علامہ فخر الدین رازی نے ''الکبت'' کا معنیٰ چہرے کے بل گر جانا اور اوندھا ہو جانا لکھا ہے۔ رازی نے صراحت کی کہ مفسرین نے ''الکبت'' کے مرادی معانی بہت سے رقم کئے ہیں لیکن لعنت کرنا، شکست دینا، ہلاک کرنا، ذلیل کرنا اور غیظ وغضب کا شکار ہونا تقریباً سب نے لکھا ہے (433)۔

''خَاۗىِٕبِيْنَ، خیبہ'' سے ہے جس کا معنیٰ محروم اور تہی دست ہو کر لوٹنا ہوتا ہے خصوصاً یہ لفظ اس محرومی اور رسوائی پر بولا جاتا ہے جو توقع کے بعد حاصل ہو (434)۔

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝

''آپ کے لیے اس معاملہ میں کوئی باعثِ پریشانی نہیں یا تو وہ انہیں توبہ کی توفیق دے یا انہیں سزا دے وہ لوگ تو ظالم ہیں''۔

شان نزول

مفسرین نے اس آیت کی تفہیم کے لیے چند روایات کو اہمیت دی ہے:

پہلی روایت:

مسلم اور بخاری نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ بات نقل

کی ہے کہ غزوۂ احد میں عتبہ بن ابی وقاص نے نبی اکرم ﷺ کو زخمی کیا اور اس کے پتھر سے آپ ﷺ کا دانت مبارک شہید ہوا۔ حضور ﷺ اپنے چہرۂ انور سے خون پونچھتے تھے اور مولا علی مرتضیٰ اور سالم خون دھوتے تھے۔ آپ ﷺ نے اسی موقع پر ارشاد فرمایا: ''وہ قوم کیسے کامیاب ہوگی جس نے اپنے نبی کے رخ انور کو خون سے رنگ دیا حالانکہ رسول ان کے خیر خواہ ہیں اور انہیں جنت کی طرف بلاتے ہیں''۔ یہ آیت اس موقع پر نازل ہوئی (435)۔

دوسری روایت

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ غزوۂ احد سے واپسی پر رحمت عالم ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! فلاں شخص پر لعنت کر، بلکہ روایت کی تفصیل بیان ہوئی کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اے اللہ! ابوسفیان پر لعنت کر

اے اللہ! حارث بن ہشام پر لعنت کر

اے اللہ! سہیل بن عمرو پر لعنت کر

اور اے اللہ! صفوان بن اُمیہ پر لعنت کر

اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی اور رحمت عالم ﷺ کو چند لوگوں کے مسلمان ہونے کا بتا دیا گیا (436)۔

تیسری روایت

اُحد کے دن جب یہ بات مسلمانوں کے مشاہدے میں آئی کہ شہید صحابہ رضی اللہ عنہم کے کان، ناک اور مذاکیر یعنی اعضائے تناسل کاٹ دئے گئے اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے اعضا کو ہندہ نے کاٹ کر ہار بنایا اور گلے میں ڈال لیا۔ اس مثلہ کرنے کی روح فرسا کیفیت کو دیکھ کر مسلمانوں کے دلوں میں بھی کافروں کے ساتھ یہی رویّہ روا رکھنے کا جذبہ ابھرا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی (437)۔

چوتھی روایت

بئیر معونہ جو مکہ مکرمہ اور عسفان کے درمیان ہے۔ اس علاقے میں رحل، ذکون، عصیہ اور بنی لحیان قبائل آباد تھے۔ یہ لوگ مدینہ میں رحمت عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر ستر قاری اپنے ساتھ لے گئے۔ بئیر معونہ کے مقام پر انہوں نے بدعہدی کی اور معلمین قرآن کو شہید کر دیا، صرف کعب ابن زید بخاری بچے، باقی سب شہید ہو گئے۔ رحمت عالم ﷺ نے ایک ماہ تک صبح کی نماز میں قنوت نازلہ پڑھی اور ان قبیلوں کے لیے دعائے انجام وضرر فرمائی۔ یہ آیت اس مناسبت سے نازل ہوئی (438)۔

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ کا فنی مبحث

''لَيْسَ'' فعل ناقصہ ہے، ''شَیْءٌ'' اس کا اسم مؤخر ہے، ''لَكَ'' خبر مقدم ہے، ''مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ'' کا حال مقدم ہے اصل عبارت یوں تھی:

لیس شی لک من الامر

''الْاَمْرِ'' میں الف لام عہدی ہے جس سے تین طرف اشارہ مقصودی ہو سکتا ہے:

☆ پہلا احتمال یہ ہے کہ اشارہ کفار بدر کا قتل، بعض کفار کا قید ہو جانا اور بعض کا بھاگ پڑنا وغیرہ کی طرف ہے۔

☆ دوسرا احتمال یہ ہے کہ آئندہ دو چیزوں کی طرف اشارہ مقصود ہے: ایک کفار کو توبہ کی توفیق ملنا یا ان پر عذاب آنا۔

☆ تیسرا احتمال یہ ہے اشارہ اس دعا کی طرف ہے جو حضور ﷺ نے تیس روز تک پڑھی۔

☆ ''لَيْسَ'' کا مدعائے روحانی یہی ہوگا کہ آپ ﷺ سے کہا جا رہا ہے کہ بددعاؤں میں سے کوئی چیز بھی آپ کی شان کے لائق نہیں، اس لیے کہ آپ تو سارے جہانوں کے لیے رحمت ہیں۔

☆ دوسری صورت اس کی یہ ہو سکتی ہے کہ دل گداز واقعات پر آپ کا بہت زیادہ غم کھانا آپ کی شانِ استقامت سے فروتر ہے۔ آپ کا صبر و مصابرہ اور عزیمت و استقامت تو پہاڑوں سے بھی زیادہ مضبوط ہے۔

☆ تیسری صورت اس کی یہ ہوگی کہ محبوب آپ میری شانِ کبریائی کے مظہر ہیں۔ کسی کو توبہ کی توفیق دینا یا کفر پر رہنے دینا سب کچھ ہمارے قبضۂ قدرت میں ہے۔ یہ چیزیں آپ کی مسئولیت میں نہیں، یہ بھی سب کچھ اس لیے ہے کہ میرے محبوب کو جو بھی یاد کرے احسن اسلوب ہی میں یاد کرے (439)۔

بیضاوی کا موقف یہ ہے (440) کہ آیت میں دونوں ''اَوْ'' حرف عطف ہیں اور یہ ''الْاَمْرِ'' پر معطوف ہیں اور دونوں ''اَوْ'' کے بعد ''ان'' پوشیدہ ہے جس کی وجہ سے ''یَتُوْبَ'' توبہ کے معنوں میں ہو گیا ہے اور ''یعذب'' عذاب کے معنوں میں ہو گیا۔ اس صورت میں ترجمہ یوں ہوگا: ''اے محبوب! ان کفار کے گزشتہ معاملات یا ان کی آئندہ توبہ یا عذاب میں سے کوئی چیز بھی آپ کی ملکیت میں نہیں''۔

علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ پہلا ''اَوْ، الیٰ ان'' کے معنوں میں ہے یا پھر ''الاّ ان'' کا مفہوم بھی ہو سکتا ہے اور دوسرا ''اَوْ'' عاطفہ ہے اور یہ جملہ ''لَيْسَ'' کی انتہا ہے دریں صورت ترجمہ ہوگا:

''اے محبوب! ان کافروں کی توبہ یا عذاب تک آپ ان سے کوئی تعلق نہ رکھیں اگر ان کی توبہ توفیق میں ہو جائے تو آپ شکر کریں اور اگر یہ عذاب میں پڑ جائیں تو آپ سے تکلیف دور رہی''۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۹﴾

''اور اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے، وہ بخش دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور عذاب دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ بہت ہی بخشنے والا مہربان ہے''۔

آیت کے پہلے حصے میں توحید مالکیت کا عقیدہ بیان کیا گیا ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کے اندر جو کچھ ہے وہ اللہ ہی کے قبضۂ قدرت اور دست مالکیت میں ہے۔ تربیتی نقطۂ نظر سے یہ بات ذہن میں رہے کہ انسانوں میں سرکشی، بغاوت، بخل اور حسد کا سبب ہمیشہ یہی ہوتا ہے کہ وہ اموال و اشیاء کو اپنی جاگیر تصور کر بیٹھتے ہیں، یہی عقیدہ ام الجرائم بن جاتا ہے۔ قرآن حکیم اپنی تربیت

سے فیض یاب ہونے والوں کو یہی سکھاتا ہے کہ ہر چیز کا مالک اللہ ہی ہے۔ انسان جب دل وجان سے مان لیتا ہے مطلق العنان مالک اللہ ہی ہے تو پھر اس کے لیے آسان ہوجاتا ہے کہ وہ اللہ کے احکام اپنے چھوٹے سے وجود پر نافذ کر لیتا ہے۔

دیکھا جائے تو آیت میں تین قوانین بیان ہوئے ہیں:

پہلا قانون ''قانون مالکیت'' ہے، دوسرا قانون ''قانون مواخذہ'' ہے اور تیسرا قانون ''قانونِ رحمت'' ہے۔

آسمانوں اور زمینوں میں جب ہر شئ کا اکیلا مالک وہی ہے تو جس کو جتنا دیتا ہے وہ اس کی مہربانی ہوتی ہے۔ رسول اکرم ﷺ اسی کی رحمت کا مظہر ہیں۔ آیت میں حضور ﷺ کے لیے اللہ کی عطاؤں میں تحدید نہیں تحقیق ہے کہ حضور ﷺ اللہ کے نظام میں دخیل نہیں ہوتے فیض یاب ہوتے ہیں اور اللہ ہی کے خزانوں سے لوگوں کو نوازتے ہیں۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۳۰﴾

''اے ایمان والو! سود دُونا دُون نہ کھاؤ اور ڈرو اللہ سے تاکہ تمہاری کامیابی ہو''۔

آیت کی تفسیر میں علامہ نسفی نے لکھا (441):

زمانۂ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ قرض کی مدت جب پوری ہو جاتی اور مقروض مجبور ہوتا، قرضہ کی واپسی کی کوئی صورت نہ ہوتی تو قرض کی رقم میں واپسی چاہنے والا قرض کی رقم میں اضافہ کر دیتا۔ مقروض مجبوری کی بنا پر اپنے اوپر دوگنا قرض مزید قبول کر لیتا۔ یوں وصولیابی تک قرض کئی گنا ہو جاتا۔ ظلم اور ظلمتوں کے طوفان کو روکنے کے لیے قرآن مجید نے سود مطلق حرام کر دیا اور سود خوری پر شدید توبیخ کی۔ تفسیر خازن اور معالم التنزیل اور وھبہ نے یہی لکھا۔

سید ابوالحسنات لکھتے ہیں (442):

''سود کھانے سے بے مروتی اور قلبی کمزوری پیدا ہوتی ہے۔ حرام مال کھانے سے اطاعت اور اتباع کی طاقت نہیں رہتی۔ سود سے انسان میں بخل پیدا ہوتا ہے۔ اس دور میں یہودیوں سے مسلمانوں کے اکثر سودی کاروبار اور معاملات رہتے تھے اور اس میں منافقین کا بڑا دخل تھا اس لیے مسلمانوں کو سختی سے منع کر دیا گیا کہ سودی کاروبار بالکل ختم کر دیں''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: آیت میں ایمان والوں کے لیے تہدید ہے کہ اللہ نے جو چیزیں حرام ٹھہرادی ہیں اصحاب ایمان ان کو حلال ہرگز نہ جانیں، اس لیے کہ حرام قطعی کا حلال جاننا کفر ہے۔ آیت سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ گناہ کبیرہ سے کفر لازم نہیں آتا لیکن گناہ کو ہلکا جاننا بعض صورتوں میں فسق جلی ہے اور بعض صورتوں میں بوجھ کفر تک جا پہنچتا ہے (443)۔

آیت میں ایک اہم چیز کا جان لینا بھی ضروری ہے کہ آیت میں یہ کہنا کہ سود دوگنا اور چوگنا نہ کھاؤ، یہ معنیٰ ہرگز نہیں رکھتا کہ جو سود تھوڑا ہو اس کے کھا لینے میں مضائقہ نہ سمجھا جائے، سود تھوڑا ہو یا زیادہ کھانا حرام ہے۔ اصل میں فعل کی رکاکت بیان کرنے کے لیے یہ اسلوب اختیار کیا گیا۔

قرآن مجید نے کہا: اللہ کی آیات کو ثمن قلیل کے عوض نہ بیچا خریدا جائے، اس کا یہ معنیٰ نہ ہوگا کہ زیادہ مول ملے تو آیات کی فروخت جائز ہو جائے گی، معاذ اللہ متخالفانہ، متجادلانہ اور متباحثانہ اغراض کی تکمیل کے لیے قرآن مفاہیم میں نشیب وفراز پیدا کرنا کفر ہے، سوءِ فہمی کی اس کجی سے مکمل پرہیز ضروری ہے۔

آیت کے آخر میں مسلمانوں کی تربیت کے لیے اخلاقی فضائل اور وسائل کی تلخیص بیان ہوئی کہ تقویٰ ہی وہ فضیلت مآب وسیلہ ہے جس سے فلاح کی منزل تک آسانی کے ساتھ پہنچا جا سکتا ہے۔

واللہ اعلم

وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۱﴾

''اور ڈرو اس آگ سے جو کفر کرنے والوں کے لیے تیار کی گئی ہے''۔

مدارک التنزیل میں لکھا ہے (444):

''امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ آیۂ کریمہ قرآن حکیم میں بہت زیادہ خوف دلانے والی ہے، اس لیے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو دوزخ کی آگ سے ڈرایا ہے جو اصل میں کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے کہ وہ اگر حرام کاموں سے نہ بچے تو انہیں اس آگ میں ڈال دیا جائے گا جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے''۔

علامہ واحدی التفسیر البسیط میں لکھتے ہیں (445):

''قرآن مجید میں یہ آیت مومنوں کو اللہ کی رحمت کی اُمید دلاتی ہے کیوں کہ صاف طور پر کہہ دیا گیا ہے کہ دوزخ کی آگ کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے''۔

تفسیر خازن میں لکھا گیا ہے (446):

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آیت میں بہت زیادہ خوف ہے اس لیے کہ فہمائش ہے۔ اللہ نے جو چیزیں حرام کی ہیں انہیں حلال جان کر خود کو کافروں کی دوزخ کا مستحق نہ بنالو''۔

علامہ اسماعیل حقی ارشاد فرماتے (447):

''جلاء القلوب دوزخ کی آگ سے بچاتی ہے اور یہ اللہ کے ذکر، قرآن مجید کی تلاوت اور درود شریف کے ورد سے حاصل ہوتی ہے''۔

حضرت ابراہیم خواص کا قول ہے (448):

پانچ چیزیں ہیں جو بیمار دلوں کا علاج ہے، ان ہی سے دوزخ کی آگ ٹھنڈی پڑ جاتی ہے:

1۔ قرآن مجید کو تدبر سے تلاوت کرنا
2۔ خالی پیٹ رہنا، شاید روزہ رکھنے کی طرف اشارہ ہے
3۔ رات کو قیام میں بسر کر دینا
4۔ بوقت سحری عاجزی کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع
5۔ اور نیک لوگوں کی مجلس اختیار کرنا۔

البحر المحیط میں ابوحیان اندلسی لکھتے ہیں(449):

''جہنم کے سات طبقات ہیں: پانچ کفر والوں کے لیے ہیں، ان میں سزا اور ذلت دونوں ہیں۔ ایک طبقہ منافقوں کے لیے ہے اس میں شدت عذاب ہے اور ایک طبقہ گناہ گاروں کے لیے ہے اس میں گرفت تو ہوگی لیکن ذلت نہیں ہوگی''۔

وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾

''اور اطاعت کرو اللہ اور رسول کی تا کہ تم پر رحم کیا جائے''۔

قرآن مجید کی یہ آیت اسلوب کے لحاظ سے خوبصورت عمدہ اور پر کشش ہے۔ پہلی آیت وعید تھی یعنی لگتا تھا بادلوں میں بجلی کی کڑک تھی۔ یہ آیت محسوس ہوتا ہے گھنگھور گھٹاؤں سے باران رحمت کا تقاطر ہے۔ تفسیری عمود کے اعتبار سے ایک مشکل عمرانی بحث کو سمیٹا گیا ہے پھیلایا نہیں گیا۔ وہ چیزیں جو خواص کے ذہن سے متقارب ہوں قرآن حکیم عوام کے ذہنوں کو ان میں الجھاتا نہیں۔ افکار و احکام کی منطقیت دلنشین انداز میں قرآن کریم تلاوت کرنے والوں کی روحوں میں ڈال دیتا ہے۔

علامہ فخر الدین رازی لکھتے ہیں(450):

''آیت میں اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے اور اسی پر رحم کرنے کو متخاصر اور مرتب کر دیا گیا۔ اس سے خوش بخت لوگوں کی نشان دہی ہوگی کہ کوچۂ رسالت میں اطاعت و محبت کی پھیری دینے والے ہی رحم کے مستحق ہو سکتے ہیں۔ ضمنی طور پر اگرچہ یہ بات سمجھ آتی ہے کہ جو اطاعت نہیں کرتے وہ رحم کے مستحق بھی نہیں ہوتے لیکن اسلوب کی بداہت گلِ رحمت کی شاخوں پر کانٹے تلاش نہیں کرتی، گلوں کی پتیوں ہی سے ذوقِ علم و عمل کی تسکین کروا دیتی ہے۔ بات اصل میں یہ ہے کہ اللہ کے فضل، احسان اور کرم سے رحم کرنے کی نفی نقل نہیں ہوئی۔ رازی اس قابل ہیں کہ ان کی مرقد نور پر رضوان رحمت عقیدتوں کی گل پاشی کرے، سبحان اللہ''۔

آیت میں اطاعت کا نصاب کیا ہے اس میں وسعت کتنی ہے اور تحدید کتنی ہے؟

علامہ آلوسی، واحدی، آلوسی اور رازی نے اشارہ کیا ہے کہ یہاں اللہ کی اطاعت سے مراد فرائض پر عمل بجالانا ہے اور رسول کی اطاعت سے مراد سنتوں پر عمل کی خوشبو پانا۔

ابوحیان اندلسی نے بعض ائمہ مفہوم و معنیٰ کے حوالے سے یہ بھی لکھا کہ یہاں سود کی حرمت پر رویے اطاعت کے ہونے چاہییں۔ اللہ اور رسول کی اطاعت ہونی چاہیے اور یہ بھی کہا کہ حکم عام اوامر و نواہی میں مطلق اللہ اور رسول معظم ﷺ کی اطاعت ہونی چاہیے(451)۔

علامہ آلوسی نے ''لَعَلَّكُمْ'' میں مفہوم و معنیٰ دونوں طرح سمجھا ہے یعنی کہا کہ ''لعل'' اگر ''کی'' کے معنوں میں ہو تو ترجمہ یہ ہوگا تا کہ تم رحم کیے جاؤ اور ''ترجی'' کے معنوں میں لیا جائے اس صورت میں مفہوم یہ ہوگا کہ اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو اس اُمید پر کہ تم پر رحم کیا جائے گا(452)۔

شیخ زادہ اور بیضاوی وغیرہ مفسرین نے لکھا کہ ''عسی'' اور ''لعل'' وغیرہ میں اُمید اور شاید وغیرہ کی نسبت اللہ کی طرف نہیں کی جا سکتی، البتہ ان چیزوں کی نسبت بندوں کی طرف کی جا سکتی ہے۔ بیضاوی نے تفصیل ''لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ'' میں لکھی ہے(453)۔ واللہ اعلم

حوالہ جات

(426) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی

(427) مفاتیح الغیب: فخر الدین رازی

(428) معالم التنزیل: بغوی ایضاً ابوحیان ایضاً سیوطی

(429) املاء ما من بہ الرحمٰن: ابوا البقا العکبری ایضاً رازی ایضاً آلوسی ایضاً اعراب القرآن وغیرھا

(430) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی

(431) جلالین شریف

(432) حاشیہ جلالین: صاوی

(433) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی

(434) تاج العروس: زبیدی حنفی

(435) صحیح مسلم کتاب البر والصلہ جلد دوم ایضاً قرطبی

(436) مسند احمد ایضاً بخاری ایضاً ترمذی ایضاً نساء بحوالہ روح المعانی: آلوسی ایضاً مظہری ایضاً نعیمی ایضاً نجوم

(437) تفسیر مظہری: پانی پتی ایضاً تفسیر نعیمی

(438) تفسیر نعیمی: مفتی احمد یار خان بدایونی

(439) البحر: ابوحیان

(440) انوار التنزیل: بیضاوی

(441) مدارک التنزیل: نسفی

(442) تفسیر حسنات: سید ابوالحسنات

(443) تفسیر حسنات: ابوالحسنات

(444) مدارک: نسفی

(445) التفسیر البسیط: واحدی

(446) تفسیر القرآن: خازن

(447) روح البیان: اسماعیل حقی

(448) روح البیان: اسماعیل حقی

البحر المحیط: ابوحیان اندلسی

(450) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی

(451) البحر المحیط: ابوحیان اندلسی

(452) روح المعانی: آلوسی

(453) انوار التنزیل: بیضاوی ایضاً حاشیہ شیخ زادہ

اسلام کی خیر وخوبی

حافظ سخی احمد

حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ يَزِيدَ، عَنْ أَبِي الخَيْرِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَيُّ الإِسْلاَمِ خَيْرٌ؟ قَالَ: »تُطْعِمُ الطَّعَامَ، وَتَقْرَأُ السَّلاَمَ عَلَى مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَمْ تَعْرِفْ«

''رجال حدیث پاک: ابوالحسن عمرو بن خالد بن فروخ الحرانی کا تعلق مصر سے تھا۔ ان سے صرف امام بخاری علیہ الرحمہ ہی نے روایت کی جبکہ صحاح ستہ کے باقی مؤلفین نے ان سے روایت نہیں کی۔ ۲۲۹ ہجری میں مصر میں ہی انتقال فرمایا''۔

لیث بن سعد کا تعلق بھی مصر سے تھا۔ ان کی کنیت ابوالحارث ہے اور ان کی علمی جلالت اور مقام پر اتفاق ہے۔ انہوں امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ سے بھی روایت کی ہے اور ایک کثیر جماعت نے ان سے روایت کرنے میں ان پر اعتماد کیا ہے۔ امام احمد نے بھی ان کا شمار ثقہ راویوں میں کیا ہے۔

یزید بن حبیب کا شمار تابعین میں ہوتا ہے اور کثیر تابعین نے ان سے روایت بھی کی ہے۔ یہ اپنے زمانے کے مفتی تھے۔ ان کا نام سوید مصری ہے۔

ابوالخیر مرثد ابوعبداللہ کا تعلق بھی مصر سے ہے۔ یہ بھی تابعین سے ہیں اور حضرت عمرو بن عاص، حضرت سعید بن زید اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ صحابی ہیں اور فتح مکہ سے پہلے اسلام قبول کیا۔

آقائے کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس فرمان مُبارک میں دو باتوں یعنی کھانا کھلانے اور سلام کرنے کا حکم دیا اور ان دونوں باتوں کو اسلام کے خیر ہونے سے وابستہ کیا ہے۔ ان دونوں باتوں کا تعلق مخلوقِ خدا کی خیر خواہی کے ساتھ ہے۔ لوگوں کو کھانا کھلانا وہ عادت اور خوبی ہے جس سے اسلام کی تاریخ بھرپور ہے۔ کھانا کھلانے کی خوبی نے اسلام کو ہمیشہ قوت دی اور لوگوں کے دل میں اسلام اُترتا چلا گیا۔ خاندان رسالت نے اپنے کردار سے اس سنت پاک کو مضبوط کیا اور قرآن مجید میں اُن کے اخلاق کی تعریف میں آیات نازل ہوئیں۔ ارشاد فرمایا:

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا (8) إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنْكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا (9) سورۃ الدھر

''اور وہ اُس کی محبت میں مسکینوں، یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ ہم تو صرف اللہ کی رضا و خوشنودی کے لیے کھانا کھلاتے ہیں اور ہمیں تم سے کسی جزا اور شکریہ کی خواہش نہیں ہے''۔

ان آیات کا شانِ نزول ہی یہ ہے کہ حسنین کریمین مشیت کے تقاضوں سے بیمار ہوئے۔ حکم رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت میں مخدومۂ کائنات اور مولا مرتضیٰ علیہما السلام نے روزہ کی منت مانی۔ شفا ملنے پر تمام گھرانۂ رسول نے روزہ رکھا۔ عین افطار کے وقت ایک مسکین، دوسرے روز ایک یتیم اور تیسرے دن ایک قیدی نے اسخیاء کے دروازے پر دستک دی۔ اطعام الطعام کی تفسیر کا عروج دیکھیے کہ سائل ایک ہے مگر سیدۂ کائنات، مولا علی پاک، حسنین کریمین حتیٰ کہ کنیز حضرت فضہ تک نے اپنا کھانا اُس سائل کو پیش کر دیا۔

صوفیاء کرام کا لنگر اسی ''اطعام الطعام'' کا رنگ ہے جس سے اسلام پھیلتا ہی چلا گیا۔

غوث پاک کی گیارہویں کا لنگر تو آج تک جاری وساری ہے۔ غریب نواز نے اپنے آباء سے اس ادائے دلبری کی وراثت پائی اور نوے لاکھ ہندوؤں کو مصطفیٰ کریم کا کلمہ پڑھا دیا۔ یہی اسلام کا خیر ہے کہ جس نے بھوکے پیٹ لوگوں کو عزت واحترام دیا اور اکرامِ انسانیت کو بامِ عرش تک پہنچا دیا۔

آقائے رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسرا حکم سلام کرنے کا دیا۔ سلام کرنے کی عادت میں بھی دوسروں کی خیر خواہی کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے۔ دوسروں کے لیے سلامتی کی دعا کرنا اور ان کی سلامتی کے لیے دل سے خواہش مند ہونا ہی دینِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوبی وخیر ہے۔ اسلام کا حسن ملاحظہ ہو کہ خیر خواہی وسلامتی کا جذبہ صرف اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کے لیے نہیں ہونا چاہیے بلکہ اسلامی معاشرہ میں بسنے والے ہر اک شخص کے لیے محبت وخیر خواہی کا یہ جذبہ موجود ہونا چاہیے چاہے اس سے واقفیت ہو یا اجنبیت ہو، اس سے رشتہ داری ہو یا کوئی رشتہ داری نہ ہو، اس سے دوستی ہو یا پھر پہلی ملاقات ہی ہو، مگر بندۂ مؤمن کے دل میں ہر فرد کے لیے دل میں محبت اور لب پر سلامتی کی دُعا ہوتی ہے۔ محبت ورحمت کا یہی ماحول ہے جو کسی بھی معاشرہ کو رشکِ جنت بنا سکتا ہے۔

سلام کو عام کرنے سے باہمی محبت میں اضافہ ہوتا ہے۔

اسی لیے ایک اور مقام پر جانِ عالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس اَمر کو واضح فرما دیا:

عن ابی هريرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: لاتدخلوا الجنة حتیٰ تومنوا ولاتومنوا حتیٰ تحابوا اولا ادلكم على شئ اذا فعلتموه تحاببتم. افشوا السلام بينكم

(مسلم)

بقیہ صفحہ 24 پر

حضرت سخی سلطان باھو رحمۃ اللہ علیہ

ناعمہ منظور

سلطان الفقر، سیّد الکونین، سلطان العارفین، برہان الواصلین، حضرت سخی سلطان باھوؒ رحمۃ اللہ علیہ فقیر مالک الملکی اور مرشد کامل اکمل جامع نورالہدیٰ ہیں۔آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اکملم کامل مکمل جامع ھم نور الھدی مالک الملکی مراتب فقیر فی اللہ باخدا

''میں کامل اکمل مکمل و جامع نورالہدیٰ فقیر ہوں اور مالک الملکی فقیر فنا فی اللہ کے مرتبے پر فائز ہوں''۔

(نورالہدیٰ کلاں)

فقرا میں ''فقیر مالک الملکی'' سب سے اعلیٰ مرتبہ ہے اور صاحبانِ تلقین وارشاد میں مرشد کامل اکمل جامع نورالہدیٰ سب سے آخری مرتبہ ہے اور انسانِ کامل کا یہ اعلیٰ ترین مرتبہ ہے۔ یہ مرتبہ سب مراتب کا جامع ہے، اس کے بعد کوئی مرتبہ نہیں ہے۔آپ رحمۃ اللہ علیہ عارفین کے سلطان ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے سلسلہ قادری کو سلسلہ سروری قادری کے نام سے منظم کیا اور اس کے لیے تا قیامت اپنی کتب کی صورت میں فکری اثاثہ مہیا کیا اور یوں حق تعالیٰ کے متلاشی طالبانِ مولیٰ کے لیے راہِ حق کو آسان سے آسان تر بنا دیا۔فقیرِ کامل کی زندگی اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر حجت ہوتی ہے۔فقیر جہاں بھی زندگی گزارتا ہے جامع صفاتِ الٰہی ہونے کی وجہ سے نورِ حق سے معاشرے کو منور کرتا ہے۔اسی طرح فقیر کامل کی خانقاہ حیات بخش مرکز ہوا کرتی ہے جہاں سے لوگوں کا تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلب ہوتا ہے اور علم وعرفان کی ندیاں معاشرے کو سیراب کرتی ہیں۔انسان دنیا اور حُبِّ دنیا میں مبتلا ہو کر سینکڑوں حجابات میں غرق ہو کر حق تعالیٰ کے نور سے محروم ہو جاتا ہے۔فقیر کامل کی خانقاہ اور حلقہ اُن کے زنگ آلودہ قلوب کو نورِ حق سے منور کرتا ہے اور اس طرح تزکیۂ نفس سے قربِ الٰہی نصیب ہوتا ہے۔ طالب اور سالک کی روح کی غذا فقیرِ کامل کی صحبت اور قرب ہوا کرتی ہے۔انسانیت کے لیے فقیر مالک الملکی اور مرشد کامل اکمل جامع نورالہدیٰ حضرت سخی سلطان باھوؒ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات بے مثل اور بے مثال ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ تمام زندگی سفر اور سیاحت میں رہ کر لوگوں کے دِلوں کو معرفتِ حق تعالیٰ اور عشقِ الٰہی سے زندگی بخشتے رہے۔سفر کے دوران آپ نے جہاں بھی قیام فرمایا وہاں رشد و ہدایت کا مرکز قائم ہو گیا۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے فیض کا سلسلہ وصال کے بعد بھی جاری چلا آ رہا ہے۔آپ کا دربار مرکز تجلیاتِ الٰہی ہے۔کتب، شاعری اور سلسلہ سروری قادری کی صورت میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عظیم ورثہ چھوڑا ہے جو قیامت تک طالبانِ حق کے لیے راہنمائی کا کام کرتا رہے گا۔

حضرت سخی سلطان باھو کا سلسلہ نسب' آباؤ اجداد اور والدین حضرت سخی سلطان باھو فقیر مالک الملکی اور مرشد کامل اکمل جامع نورالہدیٰ ہیں۔

آپ فرماتے ہیں:

''میں کامل و مکمل و اکمل و نورالہدیٰ جامع مرشد ہوں اور مالک الملکی مرتبے کا جامع فقیر ہوں''۔

(نورالہدیٰ کلاں)

سلسلۂ نسب سلطان باھو

سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھوؒ رحمۃ اللہ علیہ اعوان قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں اور اعوانوں کا شجرہ نسب حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جا ملتا ہے۔اعوان حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی غیر فاطمی اولاد ہیں۔سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھوؒ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دور کے دوسرے مصنفین کی طرح یہ طریقہ اختیار کیا کہ اپنی تصانیف کے شروع میں پیش لفظ کے طور پر اپنے متعلق صرف تعارفی سطور تحریر فرماتے ہیں اور پھر کتاب یا رسالے کی غرضِ تصنیف پر روشنی ڈالتے ہیں۔انہوں نے جہاں کہیں بھی کسی تصنیف کے پیش لفظ میں اپنا ذکر فرمایا ہے وہاں اپنے نام کے ساتھ اعوان ضرور لکھا ہے۔جیسے نورالہدیٰ کلاں میں آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔''سچ کہتا ہے مصنفِ تصنیف سروری قادری فقیر باھو، فنا فی ھوُ ولد بازید محمد عرف اعوان ساکن قلعہ شور (اللہ تعالیٰ اسے ہر قسم کے فتنوں اور ظلم وستم سے محفوظ رکھے)''۔اسی طرح کی عبارت تھوڑی سی ردّوبدل کے ساتھ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی ہر تصنیف کے آغاز میں ملتی ہے جس سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق اعوان قبیلہ ہی سے تھا۔

اعوان کون ہیں؟ اور کہاں سے آئے ہیں؟

اس سلسلہ میں سلطان حامد علی مصنف' مناقبِ سلطانی' رقم طراز ہیں:

''اعوان حضرت علی رضی اللہ عنہٗ کی نسلِ پاک سے ہیں۔جب ساداتِ عظام نے مختلف مصیبتوں اور پریشانیوں کی وجہ سے وطن چھوڑا اور ایران اور ترکستان کے مختلف حصوں میں بودوباش اختیار کی، قبیلہ اعوان چونکہ سادات کرام کا قریبی اور نسبتی تھا اس لیے اس مصیبت اور کٹھن دور میں وہ سادات کے رفیق ومعاون بنے اس وجہ سے ان کی نسبت اعوان میں تبدیل ہوگئی یعنی سادات بنی فاطمہ کی مدد کرنے والے۔علویت اور ہاشمیت کا لقب بدل کر اعوان بن گیا۔سادات عجم میں آ کر بدستور یادِ الٰہی میں مشغول

رہے لیکن قبیلہ اعوان نے جنگ وجدل اور معرکہ آرائی جاری رکھی اور ہرات پر قبضہ کرلیا اور قطب شاہ نے ہرات کے تخت پر ہی وفات پائی۔ شاہ کا لقب سادات اور قریش کے ناموں کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے لیکن اعوان بھی اپنے نام کے ساتھ شاہ کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ جب سادات خراسان سے بسبب تفرقہ، مصیبت اور پریشانی ہجرت کر کے ہندوستان میں داخل ہوئے تو قبیلہ اعوان اس سفر اور ہجرت میں ان کے رفیقِ سفر بنے اور کالاباغ کے پہاڑوں، دریائے اٹک یا دریائے سندھ کے راستے پنجاب میں داخل ہوئے۔ سادات کرام حسبِ معمول دنیاوی جاہ و حشمت کو چھوڑ کر عبادتِ الٰہی میں مشغول ہوگئے اور گوشہ نشینی اختیار کی چنانچہ اوچ شریف میں بخاری، بھوٹ مبارک میں گیلانی، چوآسیدن شاہ میں شیرازی اور دنداشاہ بلاول میں ہمدانی سادات خلقِ خدا کی رہبری اور فیض رسانی کا ذریعہ بنے لیکن اعوان قبیلہ نے کالاباغ پر قبضہ کر کے دریائے اٹک کے مشرقی کنارہ کے راستہ سے جلد ہی ہندوؤں کے مضبوط قلعوں، ملک دھنی و پوٹھوہار، کوہ پکھڑو، وادی سون سکیسر، کوہ پتاؤ، کوہ تاواہ، کوہ کھون وغیرہ پر قبضہ کرلیا اور ان علاقوں میں آباد ہوگئے۔ یہاں کے ہندوؤں نے اعوان قبیلہ کے غلبہ اور اسلام کے زور کی وجہ سے اسلام قبول کرلیا۔ آج اعوان ان علاقوں میں کثرت سے آباد ہیں''۔

احمد سعید ہمدانی لکھتے ہیں:

سلطان محمود غزنوی جب سومنات پر حملہ کرنے کے لیے ہندوستان روانہ ہوا تو اس کے ساتھ علویوں کے ایک دستے نے ہمراہی کی اجازت چاہی جس کی قیادت میر قطب شاہ یا میر قطب حیدر کر رہے تھے۔ سلطان محمود غزنوی نے بخوشی اجازت دے دی اور اس دستے کو ''اعوان'' کا خطاب دیا۔ بعدازاں اس قبیلے کے لوگ اسی لقب سے موسوم ہوئے۔ اعوانوں نے سومنات کی لڑائی میں بہادری کے جوہر دکھائے اور سلطان محمود غزنوی ان سے بہت خوش ہوا۔ جب لشکر واپس ہونے لگا تو میر قطب شاہ یا میر قطب حیدر نے سلطان سے درخواست کی کہ انہیں اور ان کے ساتھیوں کو ملک کے دوسرے علاقوں میں حکمران راجپوت سرداروں اور جاگیرداروں کی سرکوبی کے لیے مامور کیا جائے۔ سلطان نے یہ درخواست قبول کی۔ چنانچہ میر قطب حیدر اعوانوں کے لشکر کو لے کر موجودہ پوٹھوہار کے گرد ونواح اور کوہستان نمک کے علاقوں میں برسرِ اقتدار جنجوعہ اور چوہان راجپوتوں پر حملہ آور ہوئے اور ان کو پسپا کر کے انہیں پہاڑوں سے نیچے دھکیل دیا اور اعوان قبائل ان پہاڑوں کی خوبصورت وادیوں پر قابض ہو کر ان میں آباد ہوگئے۔ اب یہ قطب شاہی اعوان کہلائے۔

(احوال ومقاماتِ سلطان باھو)

میر قطب شاہ وہی ہستی ہیں جن کی سرپرستی میں اعوان سلطان محمود غزنوی کی فوج میں شامل ہوئے اور وادی سون سکیسر اور پوٹھوہار میں قیام پذیر ہوئے۔

احمد سعید ہمدانی لکھتے ہیں:

''میر قطب شاہ کا شجرہ نسب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے صاحبزادے حضرت امام محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ ان کے آباؤ اجداد سادات فاطمی کی حمایت میں حکمرانوں سے لڑتے ہوئے اور سادات کو اپنی حفاظت میں لیے ہوئے افغانستان چلے آئے تھے اور ہرات میں آباد ہوئے۔ بعدازاں سلطان محمود غزنوی کے زمانے میں اس کے لشکر میں شامل ہوگئے۔ پوٹھوہار کے علاقے میں میر قطب شاہ کی اولاد خوب پھلی پھولی اور انہوں نے شکست خوردہ راجاؤں کی بیٹیوں سے شادیاں بھی کیں جنہوں نے اسلام قبول کیا اور ان سے اولادیں بھی ہوئیں۔ میر قطب شاہ کے ساتھ آنے والے قبائل اور نومسلم باشندوں کے درمیان ددھیال، ننھیال کے لحاظ سے مناکحت اور اولاد کا باہمی سلسلہ شروع ہوا تو بالآخر چونکہ ان کی معروف نسبی پہچان کے لیے میر قطب شاہ ہی مقتدر اور مشہور شخصیت تھے لہٰذا انہی سے منسوب ہوئے۔ اب بھی یہ لوگ کہیں بھی ہوں خود کو قطب شاہی اعوان ہی کہتے ہیں لیکن یہ بات قابلِ غور ہے کہ جناب قطب شاہ وادی سون (انگہوادی سون سکیسر تحصیل نوشہرہ ضلع خوشاب صوبہ پنجاب) میں اقامت پذیر رہے البتہ جائے قیام اور عرصہ قیام، وفات، آمد کا سن، وفات کا سن اور مزار یا قبر کے بارے میں تذکرہ نویس خاموش ہیں''۔

احوال ومقامات سلطان باھو

سلطان حامد علی رحمۃ اللہ علیہ نے مناقبِ سلطانی میں کالاباغ کے اعوان رئیسوں کے کتب خانہ میں کسی کتاب سے حاصل کردہ حوالہ کی رو سے حضرت سلطان باھوؒ رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان کا شجرہ نسب نقل کیا ہے جو کہ درج ذیل ہے:

سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھو رحمۃ اللہ علیہ بن حضرت بازید محمد بن شیخ سلطان فتح محمد بن شیخ اللہ دتہ بن شیخ محمد تمیم بن شیخ محمد منان بن شیخ محمد موغلا بن شیخ محمد پیدا بن شیخ محمد سگھرا بن شیخ محمد انون بن شیخ محمد سلا بن شیخ محمد بہاری بن شیخ محمد جیمون بن شیخ محمد ہرگن بن شیخ انور شاہ بن شیخ امیر شاہ بن شیخ قطب شاہ بن حضرت امان شاہ بن حضرت سلطان حسین شاہ بن حضرت فیروز شاہ بن حضرت محمود شاہ بن حضرت شیخ فرطک شاہ بن حضرت شیخ نواب شاہ بن حضرت شیخ دراب شاہ بن حضرت ادھم شاہ بن حضرت شیخ عبیق شاہ بن حضرت شیخ سکندر شاہ بن حضرت شیخ احمد شاہ بن حضرت حجر شاہ بن حضرت امیر زبیر بن اسد اللہ الغالب امام امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم بن ابی طالب۔

(مناقبِ سلطانی)

سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھو رحمۃ اللہ علیہ کا شجرہ نسب میر قطب شاہ تک بالکل درست اور صحیح ہے۔ میر قطب شاہ یا میر قطب حیدر کے بعد اعوانوں کے نسب نامہ میں اختلاف شروع ہوتے ہیں جیسا کہ قبیلہ اعوان کا ایک نسب نامہ اور بھی دستیاب ہے جو کہ کالاباغ خاندان کے ہی ایک فرد ملک شیر محمد نے اپنی کتاب ''تاریخ الاعوان'' میں درج کیا ہے۔ مناقبِ سلطانی کے بیان کردہ نسب نامے اور تاریخ الاعوان کے مصنف ملک شیر محمد کے بیان کردہ نسب نامے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ سلطان حامد کے نزدیک حضرت علی کرم اللہ وجہہ تک نسب کا سلسلہ ان کے بیٹے امیر زبیر کے ذریعے پہنچتا ہے جبکہ ملک شیر محمد کے نزدیک سلسلہ نسب حضرت علی کرم اللہ وجہہ تک ان کے بیٹے محمد بن حنفیہ کے ذریعے پہنچتا ہے۔ ملک شیر محمد ''تاریخ الاعوان'' کا شجرہ نسب ملاحظہ ہو:

میر قطب شاہ بن شاہ عطاء اللہ غازی بن شاہ طاہر بن شاہ طیب غازی بن شاہ محمد غازی بن شاہ عمر غازی بن شاہ ملک آصف غازی بن شاہ بطل غازی بن عبدالمنان غازی بن محمد بن حنفیہ بن علی المرتضیٰ کرم اللہ

وجہہ بن ابی طالب۔

''مناقبِ سلطانی'' کے مصنف سلطان حامد رحمتہ اللہ علیہ نے جو شجرہ نسب دیا ہے اس میں لکھا ہے کہ سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ اٹھائیس واسطوں سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فرزند امیر زبیر رضی اللہ عنہٗ کی اولاد سے تھے اور امیر زبیر رضی اللہ عنہٗ کی والدہ کا نام میمنہ درج کیا ہے جو رستم پہلوان کی اولاد سے تھیں۔ مگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زبیر نام کے کسی بیٹے کا ذکر نسب کی کسی مشہور کتاب (معارف ابنِ قتیبہ، تاریخِ طبری وغیرہ) میں نہیں کیا گیا اور نہ ہی حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے کسی پوتے کا نام ''حجر شاہ'' منقول ہے۔ بعض لوگوں نے اس مشکل کو یوں حل کرنے کی کوشش کی ہے کہ ان کے علم کے مطابق حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہٗ کی کنیت ابو زبیر تھی۔ اس لیے صرف زبیر بھی لکھ دیا گیا۔ صرف ''انیس الواعظین'' کے مصنف شیخ ابوبکر سندھی نے حضرت امیر زبیر رضی اللہ عنہٗ کا مختصراً ذکر کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

''حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے لشکر سے امیر زبیر رضی اللہ عنہٗ باہر آئے۔ اس وقت امیر المومنین حضرت امام حسین رضی اللہ عنہٗ کے ساتھ تین بھائی موجود تھے زبیر علی رضی اللہ عنہم، طلحہ علی رضی اللہ عنہم، جعفر علی رضی اللہ عنہم، جبکہ یہ زبیر رضی اللہ عنہٗ ماں کے اکلوتے فرزند تھے۔ جب باہر آئے تو امیر المومنین حضرت امام حسین رضی اللہ عنہٗ نے فرمایا: ''اے بھائی! تو ماں کا دل مت جلا کیونکہ اس کا تو کوئی فرزند ہی نہیں ہے''۔ ماں نے وہاں سے ہی زوردار آواز دی اور کہا: ''اے حسین (رضی اللہ عنہٗ)! یہ بات مت کہو، میری جان اور میرے بیٹے کی جان آپ (رضی اللہ عنہٗ) پر قربان ہوجائے۔ آپ (رضی اللہ عنہٗ) کے بغیر ہماری زندگی کس کام کی''۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہٗ نے زبیر رضی اللہ عنہٗ کو سینے سے لگایا اور زاروقطار رونے لگے''۔

صاحبِ انیس الواعظین لکھتے ہیں کہ اس کے بعد زبیر رضی اللہ عنہٗ نے زوردار حملہ کیا اور شہید ہوگئے۔

محمد سرور خان اعوان ان دونوں شجروں سے اختلاف کرتے ہوئے ''وادی سون سکیسر (تاریخ، تہذیب، ثقافت)'' میں لکھتے ہیں:

یہ بات تاریخی طور پر ثابت ہے کہ اعوان قوم حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اولاد ہیں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ تک ان کا سلسلہ نسب آپ رضی اللہ عنہ کے فرزند حضرت عباس علمدار رضی اللہ عنہٗ کی وساطت سے ملتا ہے۔ بعض مؤرخین یا تذکرہ نویسوں نے ان تاریخی شواہد کو نظرانداز کرتے ہوئے محض ظن وتخمین سے کام لے کر اعوانوں کو حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہٗ کی اولاد ثابت کرنے کی کوشش کی ہے جس سے (اعوانوں کی) قومی تاریخ پر شکوک وشبہات کے سائے پڑ گئے ہیں۔ ذیل میں ان حوالہ جات کا ذکر کیا جاتا ہے جن سے ثابت ہوگا کہ اعوان قوم حضرت عباس رضی اللہ عنہٗ کی اولاد ہیں اور اس کے مورثِ اعلیٰ قطب شاہ بغدادی ہیں نہ کہ ملک قطب حیدر۔

1۔ مؤرخین کی تصریحات کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صرف پانچ بیٹوں سے نسل چلی ہے باقی فرزند یا تو لاولد فوت ہوئے یا شادی سے پہلے فوت یا کسی معرکہ میں شہید ہوگئے تھے۔

چنانچہ کتاب روضۃ الشہداء (فارسی، مطبوعہ نول کشور) فصل 'ماتم' کے صفحہ 377 پر مرقوم ہے ''از پنج پسران امیر عقب ماند حسن وحسین عنہما ومحمد اکبر کہ محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ گویند وعباس رضی اللہ عنہ شہید وعمر اطرف رضی اللہ عنہ انتہی''۔

2۔ مناقب المحبوبین (فارسی، مطبوعہ محمدی) ذکر حضرت علی (صفحہ 11) پر ہے ''وامانسل علی المرتضیٰ از پنج پسران باقی ماند یعنی امام حسن وحسین ومحمد بن حنفیہ و محمد ابوالفضل عباس وعمر اطرف۔''

3۔ کتاب نسب الاقوام (عربی، مطبوعہ ایران) و کتاب ذکر العباس اور کتاب مراۃ الاسرار کے مطابق حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ان پانچ فرزندوں سے نسل چلی: امام حسن وحسین، عباس علمدار، محمد بن حنفیہ اور عمر اطرف۔

مندرجہ بالا حوالہ جات کے مطابق حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ان پانچ صاحبزادوں سے اولاد چلی ہے اور کتاب التحفید کے مطابق آپ رضی اللہ عنہٗ کے پانچوں فرزندوں کی اولاد کو علوی کہا جاتا ہے تاہم دیارِ ہند میں ایک امتیاز ہے کہ حسنین کریمین کی اولاد کو سیّد اور باقی فرزندوں کی اولاد کو علوی کہا جاتا ہے۔ کتاب میزان ہاشمی ومیزان قطبی وخلاصۃ الانساب کے مطابق اعوانوں کے مورثِ اعلیٰ قطب شاہ اولادِ عباس بن علی ہیں۔ چنانچہ کتب مذکورہ کی اصل عبارت اس طرح ہے:

ومن العلویین الاعوان وشجرتھم ھذا

''عون بن علی بن حمزہ بن طیار بن قاسم بن علی بن جعفر بن حمزہ بن حسن بن عبداللہ بن عباس بن علی بن ابی طالب ہاشم القریشی'' و عون بن علی المشہور علی بن قاسم وعبدالعلی و عبدالرحمن و ابراہیم وقطب شاہ کال من البغداد مافرالی الھند وقام فصاد اولادہ اکثر ھم المشہورون بالعلویین ولبقیتم بالاعوان

ترجمہ: علویوں سے اعوان ہیں اور ان کا شجرہ نسب اس طرح ہے: عون بن علی بن حمزہ بن طیار بن قاسم بن علی بن جعفر بن حمزہ بن حسن بن عبداللہ بن عباس بن علی بن ابو طالب ہاشم قریشی۔ عون بن علی جو علی بن قاسم، عبدالعلی، عبدالرحمن، ابراہیم اور قطب شاہ کے نام سے بھی معروف ہیں، بغداد کے رہنے والے تھے۔ انہوں نے اور ان کی اولاد نے یہاں سے ہند کا سفر کیا اور وہاں پر کچھ عرصہ قیام کیا۔ ان کی اولاد میں کچھ لوگ علوی اور کچھ اعوان مشہور ہوگئے۔

(وادی سون سکیسر۔ تاریخ، تہذیب، ثقافت)

محمد سرور خان اعوان نے اسی کتاب میں ''میزان ہاشمی'' کی فارسی عبارت کا ترجمہ بھی درج کیا ہے جس سے قطب شاہ کے حالاتِ زندگی پر کافی روشنی پڑتی ہے:

نام مبارک عون رحمتہ اللہ علیہ ہے اور عباس بن علی کی اولاد ہیں۔ ان کی زوجہ محترمہ عائشہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی غوث الاعظم رضی اللہ عنہٗ کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ رحمتہ اللہ علیہا کی حقیقی بہن تھیں۔ جناب عون پہلے امامیہ عقائد رکھتے تھے۔ جب ان کا بیٹا گوہر علی پیدا ہوا تو ان کے دل میں شیعہ مذہب کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا ہوگئے۔ انہوں نے ماہر علما سے ان کے بارے میں کافی بحث وتمحیص کی لیکن کہیں سے تسلی نہ ہوئی پھر امامیہ عقائد کے مطابق علماءِ شیعہ سے اپنے شکوک وشبہات کو اہلِ سنت کی طرف منسوب کر کے جوابات طلب کیے لیکن ان

جوابوں سے ان کی ذہنی پراگندگی اور قلبی خلجان میں اوراضافہ ہوا یہاں تک کہ 471ھ میں ان کی زوجہ کی ہمشیرہ حضرت فاطمہ رحمۃ اللہ علیہا کی گود میں حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہٗ جلوہ فگن ہوئے۔

ایک دن جناب عون رحمۃ اللہ علیہ اپنی اہلیہ عائشہ کے ہمراہ ان کی بہن کے گھر کسی کام کی غرض سے گئے تو ان کی نظر حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہٗ کے جمال پر پڑی تو ان کے دل سے امامیہ عقائد جڑ سے نکل گئے۔ اسی دن اہلِ سنت کے طریقہ پر نماز ادا کی اور ہمیشہ اسی طریقہ پر نماز ادا کرتے رہے یہاں تک کہ حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہٗ کی غوثیت کا ڈنکا چار دانگ عالم میں بجنے لگا اور لوگ اطراف واکناف سے حاضر ہوکر بیعت سے مشرف ہونے لگے۔ جناب عون رحمۃ اللہ علیہ حضرت غوث پاک رضی اللہ عنہٗ کی خدمت میں حاضر ہوکر آپ رضی اللہ عنہٗ کی بیعت کی سعادت سے بہرہ مند ہوئے لیکن اس بات کو اپنے ساتھیوں سے پوشیدہ رکھا یہاں تک کہ وہ قطبِ مدار کے درجہ پر فائز ہوئے۔ اپنے بڑے فرزند گوہر علی کو اس راز سے آگاہ کر کے حضرت غوث پاک رضی اللہ عنہٗ کی خدمت میں حاضر کیا اور وہ بھی بیعت کے شرف سے مشرف ہوئے۔ کچھ دنوں کے بعد مذہب اہلِ سنت کو اعلانیہ اختیار کرلیا اور لوگوں کو معلوم ہوگیا کہ جناب عون رحمۃ اللہ علیہ اور ان کا سارا خاندان شیعت عقائد سے تائب ہوکر غوث پاک رضی اللہ عنہٗ کا حلقہ بگوش بن چکا ہے۔

اب جناب عون رحمۃ اللہ علیہ اپنے تمام اقارب و رشتہ داروں کو ساتھ لے کر بارگاہِ غوثیت میں حاضر ہو گئے۔ حضرت غوث پاک رضی اللہ عنہٗ نے بعض کو بغداد میں ٹھہرنے اور بعض کو ہند کی طرف سفر کرنے کا حکم صادر فرمایا چنانچہ حسبِ ارشاد عون رحمۃ اللہ علیہا اپنے بیٹوں عبید اللہ اور محمد کو لے کر ہندوستان روانہ ہوئے اور کچھ لوگوں کو غوث الاعظم رضی اللہ عنہٗ کی خدمت میں چھوڑا۔ عون رحمۃ اللہ علیہ نے چند سال ہندوستان میں قیام کر کے سلسلہ قادری کی خوب اشاعت کی۔ وہ ہند میں قطب شاہ کے لقب سے مشہور ہوئے کیونکہ وہ قطبِ مدار کے مرتبہ پر فائز تھے۔ اسی وجہ سے حضرت غوث پاک رضی اللہ عنہٗ کے مرید انہیں قطب کہتے تھے اور ہندوستانیوں نے اس کے ساتھ لفظ ''شاہ'' کا اضافہ کردیا۔ پھر قطب شاہ حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہٗ کے فرمان پر واپس بغداد پہنچے اور پہنچتے ہی مرضِ اسہال میں مبتلا ہوکر صاحبِ فراش ہوگئے۔ حضرت غوث پاک رضی اللہ عنہٗ ان کی عیادت کے لیے تشریف لائے یہاں تک کہ شب جمعہ 3 رمضان 506ھ کو داعی اجل کو لبیک کہا۔ حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہٗ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ مقبرہ قریش میں مدفون ہوئے۔ تعزیتی رسومات سے فارغ ہوکر ہر کوئی اپنے کاروبار میں لگ گیا۔ اس وقت آپ کے بیٹے گوہر علی کی اولاد سے چار افراد تھے۔ گوہر علی عرف گولڑہ حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہٗ کے فرمان کے مطابق اپنی اولاد کے ہمراہ ہند میں اقامت پذیر ہوگئے۔ ان کی اولاد ابھی تک ہندوستان میں موجود ہے۔ (صفحہ 105۔106)

محمد سرور خان اعوان مزید لکھتے ہیں:

میزان قطبی، میزان ہاشمی اور خلاصۃ الانساب کے مطابق قطب شاہؒ حضرت عباس علمدار رضی اللہ عنہٗ کی اولاد ہیں، بغداد میں پیدا ہوئے۔ وہاں سے ہند اور ہرات کا سفر کیا۔ واپس بغداد پہنچ کر وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔ ان کی اولاد آج بھی ہند میں موجود ہے۔ اس نظریے کے برعکس کچھ اعوان تذکرہ نویسوں نے محض سنی سنائی بے سروپا روایات کی بنیاد پر نظریہ قائم کرنے کی کوشش کی کہ اعوان حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ کی اولاد ہیں اور اعوان کا لقب انہیں سلطان محمود غزنوی نے فوجی خدمات کے صلہ میں دیا۔ اس سلسلہ میں انہوں نے مستند تاریخی کتب سے کوئی حوالہ پیش نہیں کیا بلکہ داستان گو اور قصہ گو لوگوں کی مبالغہ آمیز باتوں پر اپنے نظریے کی بنیاد رکھی''۔

(وادی سون سکیسر۔ تاریخ، تہذیب، ثقافت)

ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی ''پاکستان میں صوفیانہ تحریکیں'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ سیّد قطب شاہ بغدادی غوث الاعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہٗ کے خلیفہ ہیں اور انہوں نے براہِ راست سیّدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہٗ سے خرقہ خلافت حاصل کیا تھا۔ پھر مزید تفصیل اس طرح سے تحریر فرماتے ہیں: حضرت سیدّ عون قطب شاہ علوی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کئی ناموں سے مشہور ہیں مثلاً علی، عون، عبد الرحمن، عبدالعلی، ابراہیم، قطب شاہ وغیرہ۔ شجرہ نسب حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اس طرح ملتا ہے: سیّد عون رحمۃ اللہ علیہ بن قاسم بن حمزہ ثانی بن طیار بن قاسم بن علی بن حمزہ الاکبر بن حسن بن عبداللہ مدنی بن عباس علمدار رضی اللہ عنہ بن حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔ حضرت قطب شاہ رحمۃ اللہ علیہ سنہ 419ھ (1028ئ) میں تولد ہوئے اور 3 رمضان 552ھ (1161ئ) میں فوت ہوئے اور مقبرہ قریش میں مدفون ہوئے۔ آپ کی اولاد عرب، ایران اور برِصغیر پاک وہند میں کثیر تعداد میں موجود ہے۔ پاکستان میں اعوان خود کو آپ کی اولاد ظاہر کرتے ہیں''۔ (صفحہ 78) ہم نے اعوانوں کے تمام شجروں کو درج کردیا ہے۔ اصل مقصد یہ ہے کہ حقائق کو سامنے لایا جائے لیکن اس بات کو بھی مدِنظر رکھیں کہ مناقبِ سلطانی حضرت سخی سلطان باھوؒ رحمۃ اللہ علیہ کے حالاتِ زندگی پر اولین کتاب ہے جو آپ رحمۃ اللہ علیہ کی ساتویں پشت میں سلطان حامد علیؒ نے تحریر کی اور اعوانوں کا شجرہ کالا باغ کے رئیسوں کے کتب خانہ کی کسی کتاب سے نقل کیا ہے۔

دوسرا شجرہ نسب ملک شیر محمد نے اپنی کتاب ''تاریخ الاعوان'' میں درج کیا ہے، ان کا تعلق بھی کالا باغ سے ہے لیکن یہ دونوں شجرے تحقیق سے خالی ہیں اور محض کتب سے نقل کردیئے گئے ہیں البتہ محمد سرور خان اعوان کا شجرہ تحقیق سے پُر ہے اور انہوں نے اسے ثابت بھی کیا ہے۔ اہلِ تحقیق کے لیے دروازے اب بھی کھلے ہیں۔ اعوانوں کے نسب نامے میں اس الجھاؤ اور اختلاف کے باوجود جو حقائق مصدقہ اور مسلّمہ ہیں وہ یہ ہیں کہ اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ تمام شجروں کا اختتام قطب شاہ رحمۃ اللہ علیہ پر ہوتا ہے جن کی شخصیت پر کسی کو اختلاف نہیں۔ اعوان جہاں بھی ہوں اپنا شجرہ نسب میر قطب شاہ سے ہی ملاتے ہیں اور اس بات میں بھی کوئی اختلاف نہیں کہ اعوان حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی غیر فاطمی اولاد ہیں۔ لیکن جہاں تک حضرت سخی سلطان باھوؒ رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق ہے وہ نسلی تفاخر کے قائل نہیں اور آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں کہیں بھی اعوان قوم کی برتری کا دعویٰ نہیں کیا اور نہ ہی کہیں اپنی فضیلت آلِ علی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کی ہے بلکہ آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: فقیری کا تعلق

سیدؔ یا قریشی یا مشہور ہونے سے نہیں بلکہ اس کا تعلق اللہ کی معرفت سے ہے، جسے چاہے اللہ عطا فرمائے۔ (نورالہدیٰ خورد) فقر کسی کی سات پشتی میراث نہیں ہے۔ (عین الفقر) معرفت و دیدار کا یہ مرتبہ فیض و فضلِ الٰہی اور بخشش و عطائے الٰہی ہے، اللہ جسے چاہتا ہے اس سے نواز دیتا ہے۔ درویشی کے ان مراتب کا تعلق حسب و نسب، شہرت یا سیدؔ و قریشی ہونے سے نہیں بلکہ دردِ دِل، ہمت اور صدق سے ہے۔

(نورالہدیٰ کلاں)

حضرت سخی سلطان باھو کے اجداد سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھوؒ رحمۃ اللہ علیہ کے اجداد وادی سون سکیسر (تحصیل نوشہرہ ضلع خوشاب) کے گاؤں انگہ میں رہائش پذیر رہے اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کے آباؤاجداد کے مزارات اور متعلقہ مقامات کے آثار اب تک انگہ اور اس کے گرد و نواح میں موجود ہیں۔ انگہ کے قبرستان میں سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھوؒ رحمۃ اللہ علیہ کے دادا حضرت سلطان فتح محمد رحمۃ اللہ علیہ کا مزار ہے۔ اس کے ساتھ ہی سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ کی دادی محترمہ کا مزار مبارک بھی ہے۔ اس قبرستان سے ذرا آگے درمیان میں سڑک ہے اور اس سڑک کے ساتھ ہی پرانا قبرستان ہے جہاں پر آپ رحمۃ اللہ علیہ کے نانا کی تربت مبارک موجود ہے۔ والدین سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھو رحمۃ اللہ علیہ کے والدِ محترم کا اسمِ گرامی حضرت سلطان بازید محمد رحمۃ اللہ علیہ تھا۔ سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھو رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتب کے شروع میں اپنا تعارف جن الفاظ سے کراتے ہیں اس سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے یعنی ''تصنیف فقیر باھو رحمۃ اللہ علیہ ولد بازید محمد عرف اعوان۔'' حضرت بازید محمد رحمۃ اللہ علیہ پیشہ ور سپاہی تھے اور شاہجہان کے لشکر میں ایک ممتاز عہدے پر فائز تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ صالح، شریعت کے پابند اور حافظِ قرآن تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جوانی لشکر کے ساتھ بسر کی اور تمام جوانی جہاد کی نذر کردی۔ ڈھلتی عمر میں شاہی دربار چھوڑ کر چپ چاپ واپس اپنے علاقے میں چلے آئے اور ایک رشتہ دار ہم کفو خاتون حضرت بی بی راستی رحمۃ اللہ علیہا سے نکاح فرمایا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی اہلیہ بی بی راستی رحمۃ اللہ علیہا عارفہ کاملہ تھیں اور پاکیزگی اور پارسائی میں اپنے خاندان میں معروف تھیں۔ اکثر ذکر اور عبادت میں مشغول رہتی تھیں۔ وادی سون سکیسر کے گاؤں انگہ میں وہ جگہ اب تک معروف و محفوظ ہے جہاں آپ رحمۃ اللہ علیہا ایک پہاڑی کے دامن میں چشمہ کے کنارے ذکر اسمِ اللہ ذات میں محو رہا کرتی تھیں۔ سلطان العارفین حضرت سلطان باھو رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصانیف میں اپنی والدہ محترمہ سے عقیدت و محبت کا بارہا اظہار فرماتے ہیں ''مائی راستی صاحبہ (رحمۃ اللہ علیہا) کی روح پر اللہ تعالیٰ کی صد بار رحمت ہو کہ انہوں نے میرا نام باھو رحمۃ اللہ علیہ رکھا۔''

آپ رحمۃ اللہ علیہ عین الفقر میں فرماتے ہیں:

راست از راستی آراستیر حمت وغفران بود بر راستی

ترجمہ: حضرت بی بی راستی رحمۃ اللہ علیہا سچائی سے آراستہ ہیں۔ یا اللہ! تو حضرت بی بی راستی رحمۃ اللہ علیہا پر رحمت نازل فرما اور ان کی مغفرت فرما۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ کا پایہ فقر میں بہت بلند تھا اور وہ فنا فی ھوؒ کے مرتبہ پر تھیں۔ اپنے بچے کا نام باھو رکھا تو اس بنا پر کہ آپ رحمۃ اللہ علیہا کو بارگاہِ حق تعالیٰ سے سلطان العارفین حضرت سلطان باھوؒ رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت اور بلند مرتبہ کی اطلاع مل چکی تھی اس لیے آپ رحمۃ اللہ علیہا نے حکمِ الٰہی کے تابع آپ رحمۃ اللہ علیہ کا نام باھو رکھا۔ سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھوؒ رحمۃ اللہ علیہ کی ابتدائی تربیت بی بی رحمۃ اللہ علیہا نے کی اور آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی والدہ سے ہی ابتدائی باطنی تربیت بھی حاصل کی۔ محک الفقر (کلاں) میں آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میری والدہ کو ایسا ذکر حاصل تھا کہ آنکھوں سے خون نکلتا تھا۔ یہ حال مجھ پر بھی وارد ہوا۔ اس کو 'حضورِ حق' کہتے ہیں۔

حضرت سلطان بازید محمد رحمۃ اللہ علیہ نکاح کے بعد جب اپنی اہلیہ محترمہ حضرت بی بی راستی رحمۃ اللہ علیہا کے ساتھ رہنے لگے تو ان کی پارسائی اور عبادت گزاری سے بہت متاثر ہوئے۔ اب وہ خود عمر کے اس مرحلے پر تھے جب آدمی اپنے اندر تجزیے میں مصروف ہوتا ہے کہ زندگی میں کیا کھویا، کیا پایا۔ کچھ فیضِ ازلی نے آپ کو متوجہ کیا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے دنیا ترک کردی اور طے کیا کہ آئندہ اسبابِ دنیاداری سے الگ رہ کر وہ بھی صرف یادِ خدا میں زندگی بسر کریں گے۔ دل میں یہ قصد لے کر ایک دن آپ رحمۃ اللہ علیہ کسی کو بتائے بغیر گھر سے نکل کھڑے ہوئے اور ملتان پہنچے۔ چونکہ آپ رحمۃ اللہ علیہ فوج چھوڑ کر گئے تھے اور سلطنتِ دہلی سے آپ رحمۃ اللہ علیہ کا حلیہ مشتہر کیا جا چکا تھا اس لیے سرکاری اہلکار آپ رحمۃ اللہ علیہ کی تلاش میں تھے۔ ملتان میں آپ رحمۃ اللہ علیہ پہچان لیے گئے اور حاکمِ ملتان کے سامنے پیش کیے گئے۔ جب ملتان کے حاکم نے حضرت بازید محمد رحمۃ اللہ علیہ کا چہرہ مبارک، لباس، آلاتِ جنگ اور سواری کی گھوڑی (شیہن) دیکھی تو آپ رحمۃ اللہ علیہ سے بہت متاثر ہوا اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کا دو روپیہ یومیہ وظیفہ مقرر کیا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ ملتان میں ایک مکان کے اندر تنہائی میں یادِ الٰہی میں مشغول ہو گئے اور بالآخر ولی اللہ اور بارگاہِ الٰہی کے مقبول بندے ہوئے۔ ''پس جس شخص کو ہادی مطلق ظاہری وسیلہ (یعنی سبب) کے بغیر خود فیض و فضل سے اپنے قرب کی طرف کھینچ لے اسے مجاہدات کی کیا ضرورت ہے اور وہاں دیر ہی کیا ہے۔ اس راہ میں عقل کا گھوڑا لنگڑا ہے۔ یہ فضلِ الٰہی ہے جسے چاہے عنایت کردے اور اللہ تعالیٰ صاحبِ فضلِ عظیم ہے''۔

(فرمانِ غوث الاعظم)

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ملتان میں قیام کے دوران حاکمِ ملتان اور راجہ مروٹ کے درمیان جنگ چھڑ گئی۔ چونکہ آپ رحمۃ اللہ علیہ تنہا ملازم تھے اس لیے اس خدمت کے لیے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو کسی نے یاد نہیں کیا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ خود بخود گھوڑی پر ضروری اسباب باندھ کر اور ہتھیار لگا کر ملتان کے حاکم کی خدمت میں پہنچے اور کارِ خدمت کی درخواست کی۔ حاکم نے پوچھا ''آپ لشکر میں کس برادری کے جتھہ میں شریک ہو کر جنگ کریں گے؟'' عرض کیا ''چونکہ میں اکیلا تنخواہ کھاتا رہا ہوں اب جو کچھ مجھ سے ہوگا اکیلا ہی خدمت کروں گا''۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بات سن کر دربار کے تمام امرا مسکرا دیے۔ حاکم نے کہا: ''کوئی مضائقہ نہیں جس طرح یہ مرد کہے اسی طرح کرنا چاہیے۔'' پھر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کی ''ایک شخص راستہ کا واقف اور ایک تصویر راجہ مروٹ کی عنایت ہو''۔

چنانچہ دونوں چیزیں مہیا کردی گئیں۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ سلام کر کے روانہ ہوئے اور

جب قلعہ مروٹ کے قریب پہنچے تو ساتھی کو رخصت کیا اور خود شہر کی راہ لی۔ ایک ہی چھلانگ میں آپ رحمتہ اللہ علیہ کی گھوڑی قلعہ کی فصیل پار کر گئی۔ قدرت دیکھیے کہ آپ رحمتہ اللہ علیہ سیدھے راجہ مروٹ کی کچہری میں جا ٹھہرے اور سب درباریوں کی موجودگی میں راجہ کا سر کاٹ کر قربوس سے لٹکے ہوئے توبڑہ میں رکھ لیا۔ اس اچانک افتاد سے تمام درباریوں پر حالتِ سکتہ طاری ہوگئی اور کسی کو آپ رحمتہ اللہ علیہ کی طرف بڑھنے کی جرأت نہ ہوئی۔ شہر کے تمام دروازے بند کر دیے گئے تا کہ آپ رحمتہ اللہ علیہ فرار نہ ہو سکیں لیکن آپ رحمتہ اللہ علیہ کی شیہن گھوڑی پھر ایک ہی چھلانگ میں قلعے کی فصیل پھلانگ گئی۔ حضرت بازید محمد رحمتہ اللہ علیہ جب ملتان کے حاکم کے دربار میں راجہ مروٹ کا سر اکیلے لے کر داخل ہوئے تو آپ رحمتہ اللہ علیہ کی یہ کرامت دیکھ کر حاکم حیران رہ گیا۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ کے اس کارنامے کی شہرت جب دہلی کے دربار تک پہنچی تو پہچان لیے گئے اور شاہ جہان نے آپ رحمتہ اللہ علیہ کو واپس بلوایا۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ نے معذرت کی اور کہا کہ باقی عمر یادِ خدا میں بسر کرنا چاہتا ہوں۔ لہٰذا ان کی سابقہ خدمات کے پیشِ نظر یہ درخواست نہ صرف منظور ہوئی بلکہ شورکوٹ کی جاگیر بھی انہیں عطا ہوئی جس کا رقبہ 25 ہزار ایکڑ زمین پر مشتمل تھا۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی اہلیہ کے ساتھ انگہ کو چھوڑ کر شورکوٹ میں رہائش اختیار کر لی۔

تاریخ میں حضرت بازید محمد رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت بی بی راستی رحمتہ اللہ علیہا کے درست سنِ وفات کا تذکرہ نہیں ملتا۔ مناقبِ سلطانی سے بس اتنا معلوم ہوا ہے کہ حضرت بازید محمد رحمتہ اللہ علیہ کا انتقال سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ کے بچپن میں ہی ہوگیا تھا۔ لیکن مائی صاحبہ رحمتہ اللہ علیہا اس وقت بھی زندہ تھیں جب سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ کی عمر مبارک 40 سال تھی۔ سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ کے والدین کے مزار مبارک شورکوٹ شہر میں ہیں اور مزارات مائی باپ حضرت سخی سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ کے نام سے مشہور و معروف ہیں۔ سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھوؒ رحمتہ اللہ علیہ کے والدین کے مزارات، جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے، شورکوٹ ضلع جھنگ میں ہی ہیں لیکن مناقبِ سلطانی میں ایک سہو کی وجہ سے سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ کی والدہ محترمہ بی بی راستی رحمتہ اللہ علیہا کے مزار کی جگہ کے بارے میں کچھ اختلاف پایا جاتا ہے۔ صاحبِ مناقبِ سلطانی کے نزدیک بی بی راستی رحمتہ اللہ علیہا کا مزار مبارک ملتان میں ہے نہ کہ شورکوٹ میں۔

سلطان حامد تحریر کرتے ہیں:

جناب (سلطان باھوؒ رحمتہ اللہ علیہ) کے والد بزرگوار کا مزار قصبہ شورکوٹ میں ہے جو آنحضرت کی جائے پیدائش ہے۔ قصبہ مذکورہ کے شمال مغربی گوشہ میں قریشی صاحبان کی مسجد کے صحن میں شیخ طلحہ قریشی کی قبر کے پاس مزار اور خانقاہ ہے۔ جناب کی والدہ ماجدہ کے مزار کے بارے میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ یہیں مسجد میں جو دو مزار ہیں آنحضرت کے والدین کے مزار مبارک ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ملتان کے گردونواح میں لطف آباد کے قریب بی بی پور کے سادات عظام کے قبرستان میں ہے جو کہ رانواں کلاں نامی گاؤں میں ہے جو سلطنتِ دہلی کی طرف سے آنحضرت کے والد کو بطور جاگیر ملا تھا اور بودوباش بی بی پور مذکورہ میں نیک لوگوں، شریفوں اور سادات عظام کے پڑوس میں اختیار کی تھی وہیں وفات پائی اور سادات شریف کے مقبروں کے پاس جگہ پائی''۔

(مناقبِ سلطانی۔ بابِ اوّل۔ فصل دوم)

''تذکرہ اولیائے جھنگ'' کے مصنف بلال زبیری بھی صاحبِ مناقبِ سلطانی سے متفق نظر آتے ہیں، لکھتے ہیں: اس پاک خاتون (بی بی راستی رحمتہ اللہ علیہا) کا انتقال شاہ جہان کے آخری سالِ حکومت 1068ھ میں ہوا۔ آپ کا جسد قبرستان بیبیاں ملتان میں سپردِ خاک کیا گیا۔ جب تذکرہ اولیائے جھنگ کے پہلے، دوسرے اور تیسرے ایڈیشن میں اس عبارت کی اشاعت پر بہت زیادہ تنقید اور اعتراضات ہوئے تو بلال زبیری صاحب نے چوتھے ایڈیشن میں اِن اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے لکھا:

''حضرت سلطان العارفین سلطان محمد باھوؒ رحمتہ اللہ علیہ کی والدہ محترمہ کے مزار کے بارے میں اختلاف پیدا ہوا۔ میری تالیف میں اُن کا مدفن قبرستان بیبیاں ملتان میں مذکور ہے مگر بعض بزرگوں نے اسے غلط بتایا ہے۔ ان کی خدمت میں دست بستہ گذارش ہے کہ مزار کے متعلق واضح ترین سند کوئی نہیں ہے صرف کتاب مناقبِ سلطانی سے ہی مزار کے مقام کا تعین ہو سکتا ہے۔ حضرت بی بی راستی رحمتہ اللہ علیہا کے حالات کے تحت متذکرہ صدر کتاب کا پورا حوالہ موجود ہے جس سے غلط فہمی کا ازالہ ہو سکتا ہے''۔

(صفحہ 10۔ اشاعتِ چہارم)

اب ہم تحقیق کے مطابق اس اختلاف کو دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ صاحبِ مناقبِ سلطانی نے بی بی راستی رحمتہ اللہ علیہا کے مزار مبارک کی جگہ ملتان میں کیوں تحریر کی۔ پہلے وہ منطقی دلائل تحریر کیے جاتے ہیں جو ہر صاحبِ تصنیف نے اپنی تصنیف میں اس لیے تحریر کیے ہیں کہ ثابت کیا جا سکے کہ آپ کے والدین پاک کے مزارات وہی ہیں جو شورکوٹ میں ''مزارات مائی باپ'' کے نام سے مشہور و معروف ہیں نہ کہ ملتان میں ہیں:

1۔ سلطان حامد رحمتہ اللہ علیہ مناقبِ سلطانی میں ہی تحریر کرتے ہیں کہ سلطان العارفین حضرت سلطان باھوؒ رحمتہ اللہ علیہ کے والد کا انتقال تو بچپن میں ہی ہو گیا تھا لیکن آپ رحمتہ اللہ علیہ کی والدہ محترمہ بی بی راستی رحمتہ اللہ علیہا اس وقت بھی حیات تھیں جب سلطان باھوؒ رحمتہ اللہ علیہ کی عمر 40 سال تھی یعنی 1078ھ تک سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھوؒ رحمتہ اللہ علیہ کی والدہ محترمہ بقیدِ حیات تھیں اور یہ اورنگ زیب کا دورِ حکومت ہے نہ کہ شاہ جہاں کا، پھر آپ جب سیّد عبدالرحمن جیلانی دہلوی رحمتہ اللہ علیہ کی بیعت کے لیے دہلی تشریف لے گئے تو آپ رحمتہ اللہ علیہ کی والدہ محترمہ اس وقت بھی زندہ تھیں اور شورکوٹ میں ہی قیام پذیر تھیں۔

2۔ کوئی ایسی روایت موجود نہیں ہے کہ حضرت بی بی راستی رحمتہ اللہ علیہا انگہ سے شورکوٹ منتقل ہونے کے بعد سے لے کر اپنے شوہر کی حیات میں یا وصال کے بعد شورکوٹ سے باہر تشریف لے گئی ہوں۔

3۔ سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھوؒ کے والد نے شورکوٹ میں ایک وسیع جاگیر چھوڑی تھی۔ حضرت سخی سلطان باھوؒ رحمتہ اللہ علیہ تو اس طرف توجہ نہیں دیتے تھے اِس لیے تمام جاگیر کی دیکھ بھال بی بی راستی رحمتہ اللہ علیہا کی ہی ذمہ داری تھی۔

باقی صفحہ 33 پر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

طاہر قیوم کی رحلت پر

وہ شمع کی طرح تھا شبستانوں میں

9۔نومبر2022 بدھ کا دن میرے لیے دکھ آفرین پیغام لایا ہے۔آنکھیں محسوس کرتی ہیں کہ کائنات کی ہر شئی اداس ہے۔زندگی افسردہ ہونے کا اعلان کر رہی ہے۔گھٹائیں اور ہوائیں غمگین زمزمے بکھیر رہی ہیں۔طاہر قیوم کی رحلت کی خبر نے ہلا کر رکھ دیا ہے۔طاہر قیوم عالم دین تھے۔پرسکوت رہتے تھے اور جذبات کی وسعت کو سجدوں سے بسالینا ان کے لیے خداداد عطیہ تھا۔طاہر قیوم،عبدالوحید اور امجد وغیرھم جب نویں کلاس میں پڑھتے تھے شاید ہی شہر میں کوئی درس ہو جو وہ نہ سنتے ہوں۔اسی دور ابتلا میں ''ضیاء الحق'' نے مجھے پسِ زنداں ڈالنے میں اپنی عزت سمجھی ''طاہر قیوم'' نے، جب زلف اسیری دست جفا سے چھوٹی تو فیضؔ کے ان اشعار سے میری تواضع کی:

قسم تمہاری بہت غم اٹھا چکا ہوں میں
غلط تھا دعویٰ صبر و شکیب ، آ جاؤ
قرارِ خاطر بے تاب تھک گیا ہوں میں

طاہر قیوم خطابت کے ساتھ ساتھ چھوہر شریف میں حضرت اعلیٰ کے ''مجموعۂ صلوات'' کا درس بھی دیتے رہے۔یونیورسٹی کے معلم بھی رہے لیکن روحانی محبت کی پاسبانی میں کمی نہ کی۔ذکر کی محفل میں جب بھی آتے خموشی اور ادب ان کا نشان ہوتا۔ان کے آخری دیدار سے یہ احساس مسلسل ابھرتا رہا جیسے گلِ تر سے شمیمِ نسبت کا سیل رواں پھوٹ رہا ہو۔

صبح صبح پیر محمد گلزار نقشبندی زید مجدہ کا حکم موصول ہوا کہ عبدالقیوم کی والدہ بھی اللہ کو پیاری ہوگئی ہیں۔وجود عجز کے ہر بن مو سے صدمے پھوٹ رہے ہیں ہر ایک کے لیے مغفرت کی دعا اور لواحقین کے لیے صبرِ جمیل کی التجا۔

کئی بار اس کا دامن بھر دیا حسنِ دو عالم سے
مگر دل ہے کہ اس کی خانہ ویرانی نہیں جاتی

ڈاکٹر طاہر قیوم کی زندگی میں حوصلہ نواز یہ امر رہا کہ انہوں نے غربت میں ڈاکٹریٹ تک کی تعلیم مکمل کی لیکن ہمیشہ ہر حالت میں خوش رہے۔اپنے پیر خانے کا رستہ نہ بھولے۔گزشتہ روز ہی تو خود انہوں نے اپنی صحت کے لیے دعائیں لینے کے لیے رابطہ کیا لیکن ایک دن بعد ہی بوتراب کے دیس میں شہریت حاصل کر لی۔یہ سچ ہے کہ وہ ہم سے بہتر ہیں اس لیے کہ اچھا جینے کے لیے انہوں نے مرنا قبول کر لیا۔

نعم العبد کان ھو، اللّٰہ اکبر

سید ریاض حسین شاہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسرار احمد خان کی یاد میں

لمحہ لمحہ میں گزر جاتے ہیں سَوْسَوْ عالم
عمر فانی کی قسم شوقِ فراواں کی قسم

زندگی کی اجاڑ راہوں میں چمکتی اور مہکتی محبت درخشاں وسیلہ حیات ہوتی ہے۔ وہ لوگ جو اس ٹیک کے بل بوتے پر جیتے ہیں ان کی یادیں تاریخ کا سرمایہ ہوتا ہے۔ گزشتہ منگل کی بات ہے برادرم غلام مصطفےٰ کے گھر محفل نعت تھی۔ سب لوگ ڈوب کر ریحان روفی کے مدحیہ زمزموں سے تاریخی حقائق کی تسبیح گردانی کر رہے تھے۔ آج اسرار احمد خان بہت خوش دکھائی دیتے تھے لیکن ان کے چہرے سے پوری طرح عیاں تھا کوئی غم ہے جسے وہ بیان نہیں کر پا رہے اور کوئی فکر ہے جس کی چوٹ لفظ نہیں بن پا رہی اور اسرار احمد خان کے جذبات روفی صاحب کے کلام میں کبھی بن رہے تھے اور کبھی ٹوٹ رہے تھے کبھی کبھی وہ داد نوازی کے بہانے میرے ہاتھوں سے چمٹ جاتے اور غم انگیز خموشی سے واردات دل کی ترجمانی کی سعی کر لیتے۔ مجھے بھی علم نہیں تھا کہ دو دن بعد یہ عدم کی راہوں میں دلنواز مسافر بن جائیں گے۔ اسرار صاحب نے ساری زندگی ارادت، محبت اور شرافت میں گزاری۔ علی علی اور حیدر حیدر ان کا نعرۂ مستانہ تھا۔ ایک عرب شاعر نے کہا تھا سورج ہر روز اعلان کرتا ہے ارادت، محبت اور شرافت کا ایک ذرّہ سونے چاندی کے پہاڑوں پر بھاری ہوتا ہے اور محبوب کی گدڑی کا ایک پیوند ستاروں سے زیادہ درخشاں ہوتا ہے جسے کسی ہاشمی خون رکھنے والوں کے ہاتھوں نے چھوا ہو۔ اسرار احمد خان آستانِ سادات کا مجذوب ہونے کی تاریخ رکھتے تھے۔

اس مجسم برق حسن و ناز کا
سر سے پا تک مسکرانا یاد ہے
بیٹھے بیٹھے اک ادائے مست سے
ان کا اکثر جھوم جانا یاد ہے
اب کہاں وہ عشرت افتادگی
پاؤں پر خود کو گرانا یاد ہے

اللہ اسرار احمد خان کی مغفرت فرمائے
ان کی ارادت کی ادائیں دیر تک آستان پیر کی کنڈی ہلاتی رہیں گی

دم دم ہو اللہ

سید ریاض حسین شاہ

سیرت مصطفی ﷺ کی روشنی میں
تجارت اور اصول تجارت

دوسری قسط

پروفیسر ڈاکٹر محمد اظہر نعیم

باب دوم
اسلام کا معاشی نظام اور تجارت

اسلام میں تجارت کا تصور اور اسلامی اصول تجارت سے قبل اسلام کے معاشی نظام پر ایک نظر ڈالنے کی ضرورت ہے۔ تجارت اور معیشت کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اچھی اور منافع بخش تجارت مضبوط اور مستحکم معیشت کو جنم دے کر ملک وقوم کی ترقی کا باعث بنتی ہے. اسلام نے معاشی نظام میں معاشرے کے ہر فرد اور اسلامی ریاست کی ذمہ داری لگائی ہے کہ وہ اپنا فعال کردار ادا کرے۔

معاشرے کے ایک فرد کی حیثیت سے اسلام اسے حصول رزق کے لیے کاوش کرنے کی ترغیب دیتا ہے لیکن اس پر ایک قدغن لگاتا ہے کہ وہ ہر صورت میں رزق حلال کمائے۔ رحمت عالم ﷺ کا فرمان ذیشان ہے۔ جس کو سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ:

رزق حلال کے لیے کوشاں رہنا فریضہ عبادت کے بعد (سب سے بڑا) فریضہ ہے۔

اس کے ساتھ دین مبین نے معاشرہ کی ذمہ داری بھی لگائی ہے کہ اگر کسی وجہ سے فرد اپنی معشیت بحال نہ رکھ سکے تو معاشرے کے دیگر افراد پر لازم ہے کہ وہ اسے سہارا دیں۔ احادیث مبارکہ میں ہے:

لیس المومن الذی یشبع و جارہ جائع
(شعب الایمان للبیقی)

''وہ مومن نہیں ہے جو خود تو سیر ہو کر کھاتا ہو اور اس کا پڑوسی بھوکا ہو''۔

★الساعی علی الارملة والمسکین کالمجاهد فی سبیل الله والقآئم اللیل والصآئم النهار
(صحیح بخاری، کتاب النفقات)

''بیوہ اور مسکین کے لئے کوشاں رہنے والا مجاہد فی سبیل اللہ' شب زندہ دار اور دن کو روزہ دار کی طرح ہے''۔

اگر کسی فرد میں خود معاش سے نپٹنے کی صلاحیت نہ ہو اور مشکل مرحلہ میں رشتہ دار اور دوست بھی ساتھ چھوڑ جائیں تو اسلامی ریاست کا فرض ہے کہ اس کے مسئلہ معاش کو حل کرے تا کہ اس کی تنگدستی کفر (نافرمانی) پر منتج نہ ہو۔ چند احادیث مبارکہ ملاحظہ ہوں:

الامام راع وهو مسئول عن رعیته (ریاض الصالحین (متفق علیه) باب امر الاة امور بالرفق و رعایاهم و نصیحتهم)

''امام (امور سلطنت کا) نگہبان ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھ گچھ ہوگی''۔

☆ مامن امیر یلی امور المسلمین ثم لم یجتهد لهم و ینصح لهم الا لم یدخل معهم الجنته (نفس المرجع)

''جو امیر مسلمانوں کے معاملات کی ذمہ داری قبول کرے پھر ان کی بہتری کے لئے کوشش نہ کرے اور نہ ان کی خیر خواہی چاہے تو وہ ان کے ساتھ جنت میں داخل نہ ہوگا''۔

یہ ہے اسلام کا معاشی نظام' جس کو عملی طور پر نافذ کرنے کے بعد معاش کا مسئلہ نہ صرف ختم ہو جاتا ہے بلکہ آدمی لینے کی بجائے دینے کے مقام پر متمکن ہوتا نظر آتا ہے۔

معیشت کے میدان میں ہمیں جو شرعی یا اسلامی احکامات ملتے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام سرمایہ دارانہ نظام کی طرح نہ ریاست دولت کو چند افراد کے ہاتھوں میں مرتکز دیکھنا چاہتا ہے اور نہ ہی وسائل پیداوار کو فرد کی شخصی یا نجی ملکیت سے نکال کر حکومتی تحویل میں دینا چاہتا ہے۔ اسلام نے شخصی جدوجہد کی اجازت دی ہے' مگر اس پر اخلاقی پابندیاں عائد کر دی ہیں کہ صرف جائز اور حلال طریقے سے ہی روزی کمائی جا سکتی ہے۔ اور پھر معاشرے کو ارتکاز دولت سے بچانے کے لیے زکواۃ وصدقات کا نظام متعارف کرایا ہے تا کہ معاشرے میں طبقاتی نفرتوں کی بجائے مساواتی حسن پیدا ہو۔ اسلام نے معیشت کے میدان میں حکومتی مداخلت کو مصلحت اور ضرورت کے تابع کر دیا ہے۔ مشہور فقہی قاعدہ ہے:

''تصرف الامام بالرعیة منوط بالمصلحة''

''یعنی حکومت کے عوام پر اختیارات مصلحت کے ساتھ مشروط ہیں''۔

اسلام طلب ورسد (Demand & Supply) کو تسلیم کرتا ہے' مگر سرمایہ دارانہ نظام کی طرح نہیں' جس میں یہ بازاری قوتیں عدم توازن کا شکار ہو جاتی ہیں۔ بلکہ اسلام نے طلب و رسد کے باہمی امتزاج سے ایک متوازن معیشت کو وجود بخشا ہے۔ چنانچہ اسلامی تاریخ میں کئی واقعات ایسے ملتے ہیں جہاں طلب ورسد کی بازاری قوتوں میں توازن قائم کیا گیا۔ مثلاً ایک حدیث ملتی ہے کہ کوئی دیہاتی اپنی زرعی پیداوار شہر میں فروخت کرنے کیلئے لاتا تو بعض شہری اس کو مشورہ دیتے کہ تم اپنا مال خود لے جا کر نہ بیچو بلکہ ہمیں دے دو تا کہ ہم مناسب وقت پر اس کو فروخت کر کے اس کی زیادہ قیمت وصول کروا سکیں۔ نبی اکرم ﷺ کو پتہ چلا تو آپ نے شہریوں کو ایسا کرنے سے منع کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

دعو الناس یرزق الله بعضهم عن بعض

''لوگوں کو آزاد چھوڑ دوتا کہ اللہ تعالیٰ ان میں سے بعض کو بعض کے ذریعے رزق عطا فرمائے''۔

اس طرح نبی پاک ﷺ نے بیچنے اور خریدنے والے کے درمیان تیسرے شخص کی مداخلت کو رد فرمادیا تاکہ بازار میں طلب و رسد کا متوازن نظام قائم ہو سکے۔اس سے دو فائدے حاصل ہوتے ہیں' پہلا یہ کہ دیہاتی جب خود جا کر اپنی پیداوار بیچے گا تو یقیناً مناسب نفع پر ہی بیچے گا اور دوسرا یہ کہ اسے چونکہ جلدی واپس جانا ہوتا ہے لہذا وہ ذخیرہ اندوزی نہیں کرے گا۔ لیکن دوسری طرف حکومت وقت کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ اگر سرمایہ دار' اپنے سرمایہ کو اپنے اندر ہی محدود گردش سے محفوظ رکھنا چاہیں تو اخلاقی اپیل یا رحم وکرم کی درخواست پر ہی اکتفا نہ ہوگا۔اس سلسلے میں حضور اکرم ﷺ کا عمل بڑا واضح ہے اور تاریخ اسلام کا دور راشد اس کے حکماً نفاذ کی مثال پیش کرتا ہے۔ مانعین زکوٰۃ سے جنگ' اس بات کا ثبوت ہے کہ جب حقوق ادا نہ کئے جائیں تو حکومت کو عملی اقدام کرنا ہوتا ہے۔ ایسے موقعوں پر طاقت کا استعمال بھی جائز ہوگا' ارشاد نبوی ﷺ ہے :

وتوخذ من اغنیائھم فترد فی فقرآئھم

(صحیح مسلم۔کتاب الایمان)

''یعنی ان کے امیروں سے لیا جائے گا اور ان کے محتاجوں کو لوٹا دیا جائے گا''۔

معاشی تحفظ کی فراہمی قوم کا حق اور حکومت کا فرض ہے' وسائل کی دریافت اور عدل کی بنیاد پر اس کی تقسیم جاری رہنا چاہیے' اس سے معاشی اضطراب پیدا نہیں ہوتا جو پرسکون اور آسودہ زندگی کے لیے ضروری ہے۔

اسلام میں تجارت کا تصور

کمائی کے ذرائع تین ہیں: تجارت، زراعت اور اجارہ اور ہر ایک کے فضائل میں بہت کثرت سے احادیث ہیں۔ اسلام نے تجارت میں بھی اخلاقی اور روحانی اقدار کی بات کی ہے۔دنیا کے کسی نظام نے معیشت اور تجارت کو اخلاق اور روحانیات سے اس طرح وابستہ نہیں کیا جس طرح اسلام نے ان دونوں کو وابستہ کر دیا ہے۔اسلامی شریعت نے اخلاقی قواعد اور اصولوں کو اپنے قانون کے اندر اس طرح سمو دیا ہے کہ قانون پر عمل کرنے والا خود بخود اخلاق پر عمل درآمد کرتا ہے۔

واضح رہے کہ اخلاق اور روحانیات کی ضرورت تجارت اور معیشت میں بہت اہم ہے کیونکہ خانقاہوں اور مدارس میں بیٹھ کر استغنا حاصل کرنا آسان ہے مگر بازار میں جہاں ہمہ وقت شیطان اور نفس بہکاتا رہتا ہے، جہاں ایک معمولی سا جھوٹ بولنے سے لاکھوں روپوں کا فائدہ ہوسکتا ہے وہاں ناجائز اور حرام روزی سے بچنا کتنا دشوار ہوگا۔ ہاں وہاں اللہ کو حاضر ناظر جان کر اس طرح کے فوائد سے دستبردار ہونا یہ اصل تربیت ہے اسلام کی روحانی اور اخلاقی اقدار کی پاسداری کرنے کی۔جس پر شریعت مطاہرہ نے احکام کی بنیاد رکھی ہے۔

رسول کریم ﷺ خود تجارت سے وابستہ ہوئے اور مسلمانوں کو اس کی بہت زیادہ ترغیب بھی دی۔ حضور ﷺ نے تجارت کو اہل اسلام کے لیے لازم قرار دیا، آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

''تم پر تجارت کو اختیار کرنا لازم ہے۔کیونکہ رزق کے دس میں سے نو حصے اس میں ہیں''۔

(المطالب العالیہ جلد اول حدیث نمبر 368 / احیاء العلوم جلد 2 ص 153)

ایک دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا:

''سچے اور امانت دار تاجر کا حشر نبیوں' صدیقوں اور شہداء کے ساتھ ہوگا''۔

(جامع ترمذی ابواب البیوع حدیث نمبر 1209)

حضور اکرم ﷺ محنت کشوں اور تاجروں کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔

حضرت عروہ بن الجعد البارقی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے اسے ایک دینار دیا کہ اس سے قربانی کا جانور یا بکری خرید لائے۔اس نے دو بکریاں خرید لیں اور پھر ایک کو ایک دینار میں بیچ دیا۔

پھر وہ نبی ﷺ کے پاس ایک بکری بھی لے آیا اور ایک دینار بھی۔تو آپ ﷺ نے اس کو تجارت میں برکت کی دعا دی۔ چنانچہ اس کا حال ایسا ہوگیا کہ وہ مٹی بھی خریدتا تو اسے اس میں نفع ہوتا۔

(سنن ابوداود:3384)

اسی طرح کا ایک اور واقعہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کی کنیت ابوخالد ہے اور خاندان قریش کی شاخ بنواسد سے ان کا تعلق خاندانی ہے۔ یہ ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھتیجے ہیں۔ زمانہ جاہلیت اور اسلام دونوں زمانوں میں یہ اشراف قریش میں سے شمار کیے جاتے تھے۔ فتح مکہ کے سال 8 ہجری میں مشرف بااسلام ہوئے۔ بہت ہی عقلمند، معاملہ فہم اور صاحب علم و تقویٰ شعار تھے۔ایک سو غلاموں کو خرید کر آزاد کیا اور ایک سو اونٹ ان مسافروں کو دیئے جن کے پاس سواری کے جانور نہیں تھے۔ ایک سو بیس برس کی عمر پائی۔ ساٹھ برس کفر کی حالت میں اور ساٹھ برس اسلامی زندگی گزاری۔ زندگی بھر تجارت کرتے رہے مگر کبھی بھی اور کہیں بھی اور کسی سودے میں بھی کوئی نقصان اور گھاٹا نہیں ہوا بلکہ اگر یہ مٹی بھی خریدتے تو اس میں نفع ہی نفع ہوتا کیونکہ حضور نبی کریم ﷺ نے ان کے لیے یہ دعا فرمائی تھی:

اللھم بارک فی صنعتہ

''اے اللہ! ان کے بیوپار میں برکت عطا فرما''۔

(کنز العمال ج 12 ص 362)

ترمذی (1257 وابوداود (3386) کی روایتوں میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ان کو دو دینار دے کر ایک مینڈھا خریدنے کیلئے بھیجا تو انہوں نے ایک دینار میں دو مینڈھے خریدے اور پھر ان میں سے ایک مینڈھے کو ایک دینار میں فروخت کر ڈالا اور آپ کی خدمت اقدس میں آکر ایک مینڈھا اور دو دینار پیش کر دیئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس میں سے ایک دینار کو تو خدا کی راہ میں خیرات کر دیا اور پھر خوش ہو کر ان کی تجارت میں برکت کے لیے دعا فرمادی۔

(مشکوٰۃ ص 254، باب الشرکہ والوکالت)

رسول کریم ﷺ نہ صرف ہمت بڑھاتے بلکہ ان کو مکمل راہ عمل بھی سمجھاتے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک انصاری آدمی نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر (مالی تعاون کا) سوال کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تمہارے گھر میں تمہاری کوئی چیز موجود ہے؟'' اس نے کہا: جی ہاں! ایک کمبل ہے۔ ہم آدھا نیچے بچھاتے ہیں اور آدھا اوڑھ لیتے ہیں اور ایک پیالہ ہے جس میں پانی پیتے ہیں۔

آپ نے فرمایا:

''دونوں چیزیں میرے پاس لے آؤ۔'' وہ انہیں لے کر حاضر ہوا تو اللہ کے رسول ﷺ نے انہیں

اپنے ہاتھ میں لیا اور فرمایا: ''یہ دونوں چیزیں کون خریدتا ہے؟'' ایک آدمی نے کہا: میں انہیں ایک درہم میں خریدتا ہوں۔ آپ نے دو تین بار فرمایا: ''ایک درہم سے زیادہ کون دیتا ہے؟'' ایک آدمی نے کہا: میں انہیں دو درہم میں خریدتا ہوں۔ آپ نے اسے دونوں چیزیں دے کر دو درہم لے لیے اور اس انصاری صحابی کو دے دیے، اور فرمایا: ''ایک درہم کا کھانے پینے کا سامان لے کر گھر والوں کو دے دو اور دوسرے درہم کا کلہاڑا خرید کر میرے پاس لاؤ۔'' اس نے ایسے ہی کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے کلہاڑا لے کر اس میں اپنے ہاتھ سے دستہ لگایا اور فرمایا: ''جاؤ (جنگل سے) ایندھن کی لکڑیاں لایا کرو (اور بیچ کر ضروریات پوری کرو) اور پندرہ دن تک میں تمہیں نہ دیکھوں''۔ وہ ایندھن لا کر بیچنے لگا۔ (اس کے بعد) وہ حاضر ہوا تو اس کے پاس دس درہم (جمع ہو چکے) تھے۔ آپ نے فرمایا: ''کچھ رقم کا کھانے کا سامان خرید لو اور کچھ رقم کا کپڑا خرید لو۔'' پھر فرمایا: ''یہ کام (محنت سے روزی کمانا) تیرے لیے اس بات سے بہت بہتر ہے کہ تو قیامت کے دن آئے تو مانگنے کی وجہ سے تیرا چہرہ داغ دار ہو۔ مانگنا صرف اس کے لیے جائز ہے جسے مفلسی خاک نشین کر دے، یا جو انتہائی مقروض ہو، یا جو خون کی وجہ سے پریشان ہو۔ (جس سے قتل سرزد ہو گیا ہو اور وہ دیت ادا کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو)''۔

(سنن ابن ماجہ:2198)

رسول اللہ ﷺ نے کام یا کاروبار کے حوالے سے اچھے روزگار کے حصول کے لیے کوشش کرنے کا بھی حکم دیا اور یہ بھی خصوصی ہدایت فرمائی کہ ایسا کام کرو جو طبیعت کے موافق ہو یعنی اس کام کی قابلیت اور اہلیت (Aptitude) ہو۔ حضرت ابوحمید (منذر بن سعد) ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''دنیا کے حصول کے لیے اچھا طریقہ اختیار کرو۔ ہر انسان کے لیے وہ کام آسان ہو جاتا ہے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے''۔

(سنن ابن ماجہ:2142)

جامع ترمذی کی روایت ہے کہ ایک آدمی خرید و فروخت کرنے میں بودا تھا اور وہ (اکثر) خرید و فروخت کرتا تھا (اور نقصان اٹھاتا تھا)، اس کے گھر والے نبی اکرم ﷺ کے پاس آئے اور ان لوگوں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! آپ اس کو (خرید وفروخت سے) روک دیجیے، تو نبی اکرم ﷺ نے اس کو بلوایا اور اسے اس سے منع فرما دیا۔ اس نے عرض کیا: اللہ کے رسول! میں بیع سے باز رہنے پر صبر نہیں کرسکوں گا۔

آپ نے فرمایا: ''(اچھا) جب تم بیع کرو تو یہ کہہ لیا کرو کہ ایک ہاتھ سے دو اور دوسرے ہاتھ سے لو اور کوئی دھوکہ دھڑی نہیں''۔ (جامع ترمذی:1250)

اس قسم کا حکم ان لوگوں کے لیے تھا جو ذہنی طور پر تجارت کے اہل نہیں تھے اور فائدہ کی بجائے نقصان اٹھا لیتے۔

اسلامی تجارت کی برکات

یہ حقیقت ہے کہ اکثر و بیشتر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تجارت پیشہ تھے اور ان کی تمام کاروباری سرگرمیاں شریعت کے تابع ہی ہوتی تھیں اور شرعی حدود میں رہتے ہوئے اُنہوں نے معاشی میدان میں بے مثال ترقی کی، ہر طرف مال و دولت کی فراوانی، آسودگی اور خوش حالی عام تھی اور وہ وقت بھی آیا کہ وسیع اسلامی مملکت میں کوئی زکوٰۃ قبول کرنے والا نہ ملتا تھا۔ معاشی اعتبار سے کمزور ترین افراد بھی زکوٰۃ ادا کرنے کے قابل ہو گئے تھے جو اس بات کا بین ثبوت ہے کہ معاشی ترقی کے لیے بے قید آزادی ناگزیر نہیں بلکہ یہ مقصد حدود و قیود کے اندر رہ کر بھی بخوبی حاصل کیا جاسکتا ہے۔

تجارت افضل ہے کیونکہ تاجر اپنے اوقات کا حاکم ہوتا ہے، وہ تجارت کے ساتھ دوسرے دینی کام تعلیم، تدریس، تبلیغ اور عبادات بھی کر سکتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ تجارت صرف دنیاوی حصول رزق کا سبب نہیں ہے بلکہ مخلص تاجر امت مسلمہ کی خیر خواہی کا ذریعہ بنتا ہے اور روز قیامت عزت و اکرام کی نوید پاتا ہے۔ جو تاجر مخلوق خدا کی بھلائی کرتا ہے اور محنت و مشقت کر کے مال تجارت صحیح نرخ پر لوگوں تک پہنچاتا ہے اس کے بارے میں رحمت عالم ﷺ نے فرمایا:

''جو تاجر مشقت اٹھا کر ایک شہر سے دوسرے شہر اناج لے جاتا ہے اور اس دن کے بھاؤ سے فروخت کرتا ہے اس کا درجہ اللہ کریم کے نزدیک شہید کا سا ہے۔ دوسری روایت میں ایسے ہے کہ جیسے اس نے صدقہ کیا ہو''۔ (کنز العمال ج2 فصل الکسب)

حضور اکرم ﷺ جب سفر شام پر گئے تو اس انداز سے تجارتی امور نبھائے کہ بڑے بڑے تاجر حیران رہ گئے۔ مزیدار بات یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے منافع سے زیادہ خریداروں کے حقوق کا خیال کیا لہٰذا آپ کی جانب زیادہ خریدار متوجہ ہوئے اور پہلے سے کئی گنا زیادہ منافع ہوا۔ آپ ﷺ کے حسن سلوک اور حسن معاملہ کے لوگ معترف ہوتے گئے حضرت عبداللہ بن سائب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں حضور اکرم ﷺ کا شریک تجارت تھا جب میں مدینہ منورہ حاضر ہوا تو لوگوں نے میری تعریف اور مدح کی۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں اس کے متعلق تم سے زیادہ جانتا ہوں''۔ میں نے عرض کیا۔ آپ نے بجا فرمایا۔ میرے ماں باپ آپ پر قربان!

''کیوں نہیں!

آپ ﷺ تو میرے بہت اچھے شریک تجارت تھے نہ آپ میں مخالفت کرنے یا لڑنے جھگڑنے والی کوئی بات نہیں تھی''۔

(سنن ابوداود:4836)

مفتی محمد راشد ڈسکوی نے اپنی تحریر بعنوان نبی اکرم ﷺ بحیثیت تاجر میں یہ خوبصورت واقع تحریر کیا ہے کہ سفر شام کے دوران جب آپ ﷺ نے تجارتی سامان فروخت کر لیا تو ایک شخص سے کچھ بات چیت بڑھ گئی۔ اس نے کہا:

کہ لات وعزیٰ کی قسم اٹھاؤ، تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

مَا حَلَفْتُ بِهِمَا قَطُّ، وَاِنِّی الاَ مُرُّفَا غُرِضُ عَنْهُمَا

''میں نے کبھی ان دونوں کی قسم نہیں کھائی، میں تو ان کے پاس سے گزرتے ہوئے ان سے منہ موڑ لیتا ہوں''۔

اس شخص نے یہ بات سن کر کہا: حق بات تو وہی ہے جو تم نے کہی۔ پھر اس شخص نے میسرہ سے مخاطب ہو کر کہا: خدا کی قسم، یہ تو وہی نبی ہے جس کی صفات ہمارے علماء کتابوں میں لکھی ہوئی پاتے ہیں۔

باقی آئندہ

غازی علم الدین شہید

مسعود چوہدری

تاریخ گواہ ہے کہ جب بھی کبھی کسی ناعاقبت اندیش نے ناموس رسالت پر طعنہ زنی کی ہے عشاقان مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کر کے سربلندی ملت میں اپنا حصہ ڈالا ہے۔

عشق مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسا خذینہ ہے جس کی نہ تو قیمت کا تعین ممکن ہے اور نا ہی تمام کائنات میں مثل ہی ڈھونڈ نا ممکن ہے...

تاریخ میں ایسے چند ایک ہی کردار موجود ہیں جن کے غیر فطری وغیر ارادی افعال نے تاریخ انسانی پر اپنے انمٹ نقوش چھوڑے ہیں اور غازی علم الدین شہید کا تاریخی کردار بھی انہی میں سے ایک ہے. جبکہ 1929ئ میں لاہور کی آبادی پانچ لاکھ کے لگ بھگ تھی اس وقت غازی علم الدین شہید کا نماز جنازہ ادا کرنے والوں کی تعداد چھ لاکھ سے زائد ریکارڈ کی گئی اور نماز جنازہ ساڑھے پانچ میل پر پھیلا ہوا تھا۔

پیدائش وابتدائی ایام

علم الدین 4 دسمبر 1908ء بمطابق 8 ذیقعدہ 1366 کو لاہور پنجاب پاکستان کے کوچہ چابک سواراں میں طالع مند نامی بڑھئی (یعنی ترکھان) کے گھر میں پیدا ہوئے۔ علم دین نے ابتدائی تعلیم اپنے محلے کے ایک مدرسے میں حاصل کی اور تعلیم سے فراغت کے بعد آپ نے اپنے آبائی پیشہ کو اختیار کیا۔ آپ کے دو بھائی تھے جن میں سے ایک سرکاری ملازمت کرتے تھے اور دوسرے میاں محمد امین صاحب تھے۔ میاں محمد امین صاحب بھی طالع مند صاحب کے ساتھ بڑھئی کا کام کرتے تھے۔ اس خاندان کی شرافت و کاریگری کی دھوم دور دور تک تھی. آپ کا گھرانہ متوسط گھرانوں میں شمار کیا جاتا تھا۔ کاریگری میں ملکہ حاصل کر چکنے کے بعد آپ نے بنوں بازار کوہاٹ میں اپنا فرنیچر سازی کا کام شروع کیا اور رزق حلال کی تگ ودو میں مصروف ہو گئے...

1928ء اور اس کے واقعات

"راجپال" نامی لاہور کے ایک ناشر نے نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف ایک گستاخانہ کتاب "رنگیلا رسول" شائع کی. اس دل آزار عمل نے اہل ایمان کے جذبات کو مجروح کیا اور مسلمانوں میں سخت غم وغصہ پیدا ہوا۔ جب مسلمان رہنماؤں نے اس کتاب کو ضبط کرنے اور ناشر کے خلاف تادیبی کاروائی عمل میں لانے کا مطالبہ کیا تو انگریز حکومت کے مجسٹریٹ نے "راجپال" کو صرف چھ ماہ قید کی سزا سنائی۔ اس کے علاوہ کتاب کو ضبط کرنے کے مطالبے کو رد کر دیا گیا۔ اس پر ظلم یہ ہوا کہ "راجپال" نے ہائی کورٹ میں اپیل دائر کی جہاں جسٹس دلیپ سنگھ مسیح نے اس کو رہا کر دیا. اب مسلمانوں کا غم وغصہ آسمان کو چھونے لگا اور گلی گلی احتجاج شروع ہو گیا۔

بجائے کہ راجپال کو سرزنش کی جاتی، دو سپاہی اور ایک حوالدار اس کی حفاظت پر مامور کر دیے گئے اور ساتھ ہی ساتھ روایتی مسلم دشمنی کا مظاہرہ کرتے ہوئے انگریز حکومت نے دفعہ 144 نافذ کر کے مسلمان رہنماؤں کو گرفتار کرنا شروع کر دیا۔ بلاشبہ حکومت وقت ملعون راجپال کو بچانے کی پالیسی پر عمل پیرا تھی۔

ملعون راجپال کو جہنم واصل کرنے کی کوششیں

24 ستمبر 1928 کو لاہور کے ایک شخص خدابخش نے اس شاتم رسول "راجپال" کو اس کی دکان پر نشانہ بنایا، تاہم اس نے بھاگ کر اپنی جان بچائی۔ خدابخش گرفتار ہو گیا اور اسے 7 سال قید کی سزا سنائی گئی.

افغانستان کا ایک شخص عبدالعزیز ایک مرد مجاہد کفن باندھ کر گھر سے نکلا۔ اس نے لاہور آ کر اس شاتم رسول کی دکان کا رخ کیا مگر یہ بدبخت دکان میں موجود ہی نہیں تھا اور سوامی ستیانند راجپال کا دوست اس کی جگہ موجود تھا۔ غلط فہمی میں عبدالعزیز نے سوامی ستیانند کو ہی راجپال سمجھ کر قتل کر دیا۔ عبدالعزیز کو انگریز حکومت نے گرفتار کیا اور 14 سال کی سزا سنائی.

علم الدین اور اسکے دوست اور راجپال کے قتل کا پروگرام

مختلف روایات اور علماء کے اقوال سے پتہ چلتا ہے کہ علم الدین ایک روز دلی دروازے پر لوگوں کا ہجوم دیکھ کر رک گئے۔ وہاں راجپال کے خلاف تقریریں ہو رہی تھیں۔ جس بات نے علم الدین کو سب سے زیادہ آگ بگولہ کیا وہ راجپال کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی ہی تھی۔ آج کے عاشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مانند علم الدین بھی اس بات کو برداشت نہیں کر سکا کہ کوئی اس کی محبوب ترین ہستی کی شان میں گستاخی کرے۔

اس دور میں دلی دروازہ لاہور سیاسی سرگرمیوں کا گڑھ تھا اور تمام تحریکوں کا گڑھ بھی. یہاں سے جو بات کی جاتی تھی وہ ملک کے طول عرض میں با آسانی پہنچتی تھی۔ یہاں پر ہونے والی گفتگو اپنے آپ میں ایک سند کی حیثیت رکھتی تھی۔ لیکن علم الدین اس وقت کا روشن خیال شخصیت کا مالک انسان تھا۔ اس نے جو سنا اس پر یقین نہیں کیا بلکہ اپنے والد محترم سے تائید حاصل کی۔

اپنے دوست ''شیدے'' اور اس کے ایک دوست کی مدد سے راجپال کا حلیہ، ہسپتال روڈ پر واقع کتابوں کی دکان کا پتہ اور دیگر معلومات اکٹھی کی گئیں۔

یہاں یہ روایت بھی نقل کی جاتی ہے کہ بعد از یقین ایک رات اس کا دل بہت بے قرار تھا جہاں پھر ایک رات انہیں خواب میں ایک بزرگ ملے، انہوں نے کہا: پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی ہو رہی ہے اور تم ابھی تک سو رہے ہو

اٹھو! جلدی کرو۔ علم الدین ہڑبڑا کر اٹھے اور سیدھے شیدے کے گھر پہنچے۔

پتہ چلا کہ شیدے کو بھی ویسا ہی خواب نظر آیا تھا۔ دونوں ہی کو بزرگ نے "راجپال" کو قتل کرنے کو کہا۔ دونوں میں یہ بحث چلتی رہی کہ کون یہ کام کرے، کیونکہ دونوں ہی یہ کام کرنا چاہتے تھے۔ پھر قرعہ اندازی کے ذریعے دونوں نے فیصلہ کیا۔ تین مرتبہ علم الدین کے نام کی پرچی نکلی تو شیدے کو ہار ماننی پڑی۔ علم الدین ہی شاتمِ رسول کا فیصلہ کرنے پر مامور ہوئے۔

اس تمام روایت کی صحت کو زیر بحث لائے بغیر ہم آگے بڑھتے ہیں....

راجپال کا قتل

6 اپریل 1929ء کو ایک بجے دوپہر غازی علم الدین نے کھوکھے والے کی نشان دہی پر راجپال کو اس کی دوکان واقع ہسپتال روڈ انارکلی نزد مزار قطب الدین ایبک لاہور میں داخل ہوتے ہوئے پہچانا اور جیسے ہی راجپال اپنی نشست پر بیٹھا آپ نے راجپال کو للکارا، چھری نکالی، اور راجپال کے جگر میں پیوست کر دی۔ عاشق کے ایک ہی وار نے راجپال کا کام تمام کر دیا۔ تھانہ انارکلی پولیس کو دکان کے ایک ملازم نے اطلاع دی اور غازی علم الدین نے قتل کا اعتراف کرتے ہوئے گرفتاری پیش کر دی۔

یہاں یہ امر بھی قابل غور ہے کہ اگر آپ چاہتے تو فرار ہو سکتے تھے لیکن آپ نے فرار ہونے کی کوئی کوشش بھی نہیں کی۔

راجپال کے قتل کا مقدمہ اور اپیلیں

مقدمہ لوئس نامی ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی عدالت میں پیش ہوا جس نے غازی علم الدین پر فرد جرم عائد کر کے صفائی کا موقع دیے بغیر مقدمہ سیشن کورٹ میں منتقل کر دیا۔

مورخہ 22 مئی 1929ئ کو غازی علم الدین کو سیشن کورٹ کے نیپ نامی انگریز جج نے سزائے موت کا حکم سنایا۔ غازی علم الدین کی جانب سے سلیم بارایٹ لاء پیش ہوئے اور آپ کے حق میں دلائل دیے مگر تمام دلائل بے سود ثابت ہوئے۔

ہائی کورٹ میں اپیل کے لیے اس وقت کے سب سے بڑے اور مشہور وکیل محمد علی جناح کی خدمات حاصل کی گئیں۔ آپ بمبئی سے لاہور تشریف لائے اور آپ کی معاونت بیرسٹر فرخ حسین نے کی۔

یہاں یہ روایت بھی مشہور ہے کہ حضرت قائد اعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے غازی علم الدین کو کہا کہ:

''آپ اس قتل کا انکار کر دو کہ آپ نے قتل نہیں کیا! آپ کی سزا ختم کروانا میری ذمہ داری ہے''۔

جس کے جواب میں غازی علم الدین نے جواب دیا کہ

''تمام زندگی میں ایک ہی تو کام کیا ہے اور آپ اس سے بھی مکرنے کا مشورہ دے رہے ہیں''۔

7 جولائی 1929ء کو ہائی کورٹ نے غازی علم الدین کو سزائے موت کا حکم سنا دیا. 15 جولائی 1929ء کو ہائی کورٹ کے لارجر بنچ نے بھی سیشن کورٹ کی سزا کو بحال رکھا اور غازی علم الدین کی اپیل خارج کر دی.

شہادت

اپیل خارج ہونے کی اطلاع جب غازی علم دین کو دی گئی تو آپ نے فرمایا "شکر الحمدللہ! میں یہی چاہتا تھا۔ بزدلوں کی طرح قیدی بن کر جیل میں سڑنے کے بجائے تختہ دار پر چڑھ کر ناموس رسالت پر اپنی جان فدا کرنا میرے لیے ہزار ابدی سکون و راحت ہے"۔

31 اکتوبر 1929ئ بروز جمعرات میانوالی جیل میں آپ کو شہید کر دیا گیا.

حسنِ یوسف پہ کٹی مصر میں انگشتِ زناں
سر کٹاتے ہیں تیرے نام پہ مردانِ عرب

لاش حوالگی اور تدفین

4-نومبر 1929ئ کو جسد خاکی کی حوالگی کا مطالبہ لے کر مسلمان ذمہ داران کے ایک وفد نے گورنر پنجاب سے ملاقات کی، جن میں علامہ ڈاکٹر محمد اقبال، مولانا عبدالعزیز، مولانا ظفر علی خان، سر محمد شفیع، خلیفہ شجاع، میاں امیر الدین، سر فضل حسین، مولانا غلام محی الدین قصوری اور دیگر صاحبان شامل تھے اور یقین دلایا کہ تدفین پُرامن ہونے کی ذمہ داری ہے۔

13 ۔نومبر 1929ئ کو مجسٹریٹ مرزا مہدی حسن اور سید مراتب علی شاہ کی سربراہی میں ایک وفد میانوالی روانہ ہوا اور 14 نومبر 1929 کو جسد خاکی وصول کیا۔

15 نومبر 1929ئ کو محکمہ ریلوے نے غازی علم دین شہید رحمۃ اللہ تعالی علیہ کا جسد خاکی لاہور چھاؤنی میں علامہ اقبال اور سر محمد شفیع کے حوالے کیا۔

اس وقت غازی علم الدین شہید کی نماز جنازہ ادا کرنے والوں کی تعداد چھ لاکھ سے زائد ریکارڈ کی گئی اور جنازہ ساڑھے پانچ میل پر پھیلا ہوا تھا۔

آپ کی نماز جنازہ خطیب مسجد وزیر خان قاری شمس الدین نے پڑھائی. سید محمد دیدار علی شاہ محدث لاہوری اور علامہ اقبال نے غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ تعالی علیہ کو اپنے ہاتھوں سے لحد میں اتارا.

اس موقع پر ڈاکٹر علامہ اقبال رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے فرمایا کہ یہ ترکھانوں کا لڑکا ہم سب پڑھے لکھوں سے بازی لے گیا''۔

آپ کی آخری آرام گاہ میانی صاحب قبرستان بہاولپور روڈ میں ایک نمایاں مقام پر موجود ہے۔

سرِ مزارِ شہیداں یکی عنان درکش
کہ بی زبانی ما حرفِ گفتنی دارد

بقیہ: ''درس حدیث''

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تم لوگ جنت میں داخل نہیں ہو گے جب تک تم مومن نہ ہو جاؤ اور تم لوگ مومن نہیں ہو سکتے جب تک تم آپس میں محبت نہ کرو۔ کیا تم کو ایک ایسی چیز نہ بتاؤں جس پر تم عمل کرو تو آپس میں محبت کرنے لگو۔ اپنے درمیان سلام کو عام کرو۔''

کائنات میں جب بھی دوسروں کی خیر خواہی کے جذبہ و احساس کو معراج پر دیکھنا ہو تو بے مثل و بے مثال کردار اہل بیتِ اطہار کا ہی ملے گا۔ اسی سلسلے میں سیدنا امام حسن المجتبیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار میں نے اپنی والدہ ملکہ ٔجنت کو دیکھا کہ سجادۂ عبادت پر ساری رات گریہ وزاری میں گزار دی مگر زبان قبولیت و اجابت پر اپنے لیے ایک بھی دُعا نہ مانگی۔ میں نے عرض کی کہ اماں جان! مالک لم یزل کی بارگاہ میں سب کی سب اور ساری کی ساری دُعائیں اوروں کے لیے عرض کی ہیں اور اپنے لیے کچھ بھی نہیں مانگا۔ تو ارشاد فرمایا کہ بیٹا! پہلے پڑوس پھر گھر۔

دیکھ کر تجھ کو اور کو دیکھوں
اب یہ معیار کم نہیں ہوتا

سید ریاض حسین شاہ

زبان و بیان بھی کیا چیز ہے۔حسین الفاظ کی خوبصورت پتیاں وہ خوشبو بکھیرتی ہیں جن سے روحوں کے آنگن معطر ہو جاتے ہیں۔انسانی تاریخ گواہ ہے کہ بعض اوقات مختصر ترین حروف کی ترکیبی فصاحتیں لحظوں کے اندر روحوں اور دلوں کو مسخر کر کے اپنے قبضے میں لے لیتی ہیں اور بعض جملے اپنی ساخت میں وہ تاثیر سموئے ہوتے ہیں جن کے ادا ہوتے ہی ٹیڑھے افکار کی پیچیدہ پگڈنڈیاں ہموار راہوں میں بدل جاتی ہیں اور کچھ خطبے اور وعظ نور کے وہ لشکر تیار کر دیتے ہیں جو نور وظلمت کے معرکوں میں غلبہ نور کا ذریعہ ثابت ہوتے ہیں۔حضرت لالہ جی علیہ الرحمتہ پیشہ ور واعظ تھے اور نہ ہی عبا پوش صوفی اور دلق وتسبیح کی صوفیانہ ظاہر داریوں سے بھی آپ آشنا نہ تھے لیکن مطمئن دل، راسخ عزم، ستھری سوچوں، پاکیزہ سیرت، سادہ زندگی تڑپتے افکار اور زندہ جذبوں نے آپ کی گفتگو میں وہ رنگ بھر رکھے تھے جس کے حسن ونور کو قوس قزح بھی پیش کرنے سے عاجز تھے۔۔۔۔۔!!

آپ کی زبان سے بے شمار ایسے جملے ادا ہوئے جن کی کاٹ سے نفسانی خواہشات کی تڑپتی لاشیں دیکھی گئیں اور حکیمانہ وعظوں نے روحوں کو دھوڈالا لیکن سرِ دست ایک جملہ سنتے جایئے جو اپنی وضع میں مختصر سا ہے، ساخت میں سادہ وسلیس ہے اور معنویت میں پیچیدگیوں سے پاک ہے۔ایسے لگتا ہے کہ یہ جملہ کسی معصوم بچے کی زبان سے ادا ہوا ہے "لاریب" پاکیزہ نفسی کا بہترین نمونہ بچے ہی ہوتے ہیں۔اس اعتبار سے وہ جوانیاں اور بڑھاپے قابل رشک ہوتے ہیں جن کے خمیر وجود میں بچپنے کی معصومیت کا جوہر شامل رہتا ہے۔۔۔۔!!

حضرت لالہ جی علیہ الرحمتہ جوان بھی ہوئے اور بڑھاپے نے بھی انہیں اپنے محاصرے میں مقید رکھا لیکن آپ کی باتیں اور راتیں، اقوال اور افعال سب پاکیزگی کے امین رہے۔تو سنیے وہ جملہ جو اکثر آپ ان موقعوں پر ادا فرماتے جب آپ کے سامنے سلسلہ سوالات دراز کیا جاتا۔ ہائے وہ برجستگی جب الفاظ آپ کے لبوں سے ٹپک پڑتے:

"مجھے کچھ معلوم نہیں" "میں نہیں جانتا"
"میں عالم نہیں"۔۔۔۔

خیال گذرتا ہے کہ

عالم کا کمال کچھ نہ جاننا ہوتا ہے
اور عمل کا کمال کچھ نہ رکھنا ہوتا ہے

جو شخص اپنے دل اور دامن دونوں کو خالی بنا دیتا ہے فطرت آگہی اور شعور کے انمول موتی اس کی آغوش میں ڈال دیتی ہے۔بزرگ فرماتے ہیں رسول اکرم ﷺ کی معراج نبوت "ماانا بقاری" سے شروع ہوئی اور معراج عمل" انما انابشر مثلکم" کا مظہر ہوئی۔۔۔۔حضرت علیہ الرحمتہ اپنے معاصرین کا ذکر فرماتے کہ وہ سب علم و تقویٰ میں مجھ سے کہیں آگے ہیں، البتہ مجھے اللہ کے فضل سے انکار نہیں۔ یہ فضل الٰہی کی چھم چھم برستی بارش ہی تھی جس نے لالہ جی علیہ الرحمتہ کے ظاہر اور باطن دونوں کو آب رحمت سے یوں نہلا رکھا تھا کہ آپ حسن سیرت اور حسن عقیدہ کی نہایت دل آویز تصویر لگتے تھے۔

دیکھ کر تجھ کو اور کو دیکھوں؟
اب یہ معیار کم نہیں ہوتا

اپنی سادگی کے باوجود جب کسی محفل یا اجتماع میں شریک ہوتے نگاہیں آپ پر جا کر ٹک جاتیں۔۔۔۔!!

ہزار مجمع خوبانِ ماہ رو ہوگا
نگاہ جس پہ ٹھہر جائے گی وہ تو ہوگا۔

حضرت لالہ جی علیہ الرحمتہ پیشہ ور واعظ تھے
اور نہ ہی عبا پوش صوفی
اور دلق وتسبیح کی صوفیانہ ظاہر داریوں سے بھی آپ آشنا نہ تھے

سالانہ درس قرآن و محفل ذکر

27۔نومبر 2022 بروز اتوار

ڈاکٹر منظور حسین اختر

ستائیس نومبر 2022 اتوار کا دن اس لحاظ سے منفرد تھا کہ یہ دن ادارہ تعلیمات اسلامیہ کے سالانہ اجتماع کا یوم پُرنور تھا۔جس میں کروڑوں دلوں کو سکون و قرار بخشنے والے، اللہ کے بندوں کو اللہ سے ملانے والے اور حضور نبی کریم ﷺ کے غلاموں کو حضور ﷺ کے قدموں تک پہنچنے کا وسیلہ بننے والے، مفکر اسلام، مفسر قرآن، مرشدِ مرشداں، رہنمائے کاملاں حضرت پیر سید ریاض حسین شاہ جی کی زیارت، ان کے ملفوظات اور ان کی تعلیم و تربیت حاصل کرنے کا آسان ذریعہ تھا۔ یہ دن مجھ ایسے ناچیزوں کے لیے ایک آسان موقع تھا کہ ہم بھی اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ پہچان سکیں، ہمیں بھی علم ہو سکے کہ ہمارا رب ہمیں کیسے مل سکتا ہے۔ شاہ جی قبلہ کا یہ احسان عظیم ہے کہ ہماری تربیت کے لیے وہ کوئی موقع فروگزاشت نہیں ہونے دیتے۔ اگرچہ علالت و مصروفیت کا تقاضا ہے کہ شاہ جی اپنے دروازوں کو مستقل مقفل کر لیں لیکن یہ ان کا کرم ہے کہ اتنے اونچے ہونے کے باوجود ہم ناچیزوں کا بھلا کرتے رہتے ہیں بلکہ یوں کہیں کہ ہمارے بھلے کا دروازہ ہی اللہ تعالیٰ نے شاہ جی کی صورت میں عطا فرمایا ہے اور شاہ جی ہمارے لیے قاسمِ نعمتِ باری تعالیٰ ہیں۔

بہرحال اس سال کا سالانہ اجتماع ایک الگ نوعیت کا حامل تھا، غیر ضروری مہمانوں کے بغیر، مکمل سادگی کے ساتھ یہ اجتماع انعقاد پذیر تھا۔ایک لمبے عرصے تک شاہ جی جماعت اہل سنت پاکستان کے مرکزی ناظم اعلیٰ رہے ہیں آپ چاہتے تو سینکڑوں علماء کو سٹیج کی زینت بنا سکتے تھے اور اس دور میں شاہ جی کی ذات بابرکات ہی ہے کہ علماء کثیر تعداد میں شاہ جی سے محبت کرتے ہیں اور بڑے بڑے بزرگ آپ کی بزرگی کے قائل ہیں۔ یہ عزت اس دور میں اللہ تعالیٰ نے شاہ جی کے مقدر میں ہی رکھی ہے۔

اجتماع کے آغاز کا وقت ساڑھے دس بجے تھا اور سوا دس بجے ہی علامہ شیخ محمد قاسم صاحب نے مائیک سنبھال کر پروگرام شروع کرا دیا تھا۔ آپ نے پروگرام کے بارے ہدایات جاری کیں کہ اس پروگرام کی دو نشستیں ہوں گی۔ بارہ بج کر چالیس منٹ پر پہلی نشست کا اختتام ہوگا پھر ظہر کی نماز ادا کی جائے گی اور ظہر کی نماز کے بعد دوسری نشست کا آغاز ہو جائے گا۔ پہلی نشست کی نقابت کراچی سے تشریف لانے والے بہت ہی مخلص شخصیت علامہ عبد الحفیظ معارفی کر رہے تھے جن کے الفاظ سے شاہ جی کی محبت وعقیدت ٹپک رہی تھی جبکہ دوسری نشست کی نقابت کا سہرا شاہ جی نے جناب صفدر علی محسن کے سر باندھا جنہوں نے ہمیشہ کی طرح نقابت کا حق ادا کر دیا۔ گاہے گاہے علامہ شیخ محمد قاسم ہدایات جاری کرتے رہے اور ہماری تربیت فرماتے رہے۔حافظ شیخ محمد قاسم نے شاہ جی کے قرآن پاک کے عنوان پر تحریر کردہ ایک کتابچہ ''نورعرفان'' کے متعلق بھی اطلاع دی کہ ہمیں شاہ جی کا عرصہ دراز پہلے لکھا ہوا ایک مقالہ ضرور مطالعہ کرنا چاہیے تاکہ ہمیں قلوب واذہان قرآن پاک کی فضیلت کے نور سے منور ہو سکیں۔ شاہ جی کا خصوصی خطاب دوسری نشست میں ہونا تھا اور پہلی نشست میں شاہ جی نے دعا کرانا تھی اور اپنے سنگیوں کو خاص ہدایات عطا فرمائیں، شاہ جی کی دعا و خصوصی تربیتی گفتگو سے قبل شاہ جی کے منظورِ نظر خلیفہ، معروف عالم دین علامہ بشیر القادری کو دعوت خطاب دی گئی جنہوں نے اپنے مخصوص انداز سے حاضرین کے دلوں کو گرما دیا۔ بخاری شریف کی ایک معروف حدیث بیان کرتے ہوئے علامہ بشیر القادری نے فرمایا کہ اللہ کے کچھ بندے ایسے ہوتے ہیں جن کے پاس بدقسمت بھی آجائے تو خوش قسمت ہو جاتا ہے۔انہوں نے قبلہ شاہ جی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ شاہ جی کے قدموں میں بیٹھنے والا بدقسمت نہیں رہ سکتا۔آپ وہ ذاکرِ رب تعالیٰ ہیں جن کے پاس بیٹھنے والا بھی ذاکر بن جاتا ہے۔جن کی ایک نگاہ پڑنے سے قسمت بدل جاتی ہے۔

علامہ بشیر القادری کے خطاب کے بعد ختم شریف پڑھا گیا جس کی سعادت دوبارہ علامہ بشیر القادری کی قسمت میں لکھی تھی انہوں نے ختم شریف میں آل رسول کی فضیلت پر مبنی قرآن پاک کی آیات تلاوت کیں تو ماحول محبت آل رسول ﷺ سے رنگین ہو گیا۔

محفل تو ہم سب غریبوں کے لیے تھی لیکن حُسن و عشق کے جلوے خانوادہ رسول ﷺ کے روشن ستارے سٹیج سے نچھاور کر رہے تھے۔صاحبزادہ پیر سید فیصل ریاض حسین شاہ جی، صاحبزادہ پیر سید نعمان شاہ جی، پیر سید مظہر سجاد گیلانی، پیر سید ضیاء الحق جیلانی، صاحبزادہ پیر سید عبداللہ شاہ جی (عبداللہ شاہ جی کے چھوٹے بھائی)، علامہ پیر نور احمد بندیالوی، ڈاکٹر علامہ حمزہ مصطفائی، پیر گلزار احمد نقشبندی، علامہ مفتی محمد لیاقت علی، علامہ رضوان انجم، پروفیسر پیر محمد بہاؤالدین

(لاہور) صاحبزادہ عثمان غنی، علامہ رضوان یوسف، علامہ اسلم سالم، پیر ظہور احمد، حافظ محمد زبیر، علامہ حافظ محمد اکبر، علامہ رضاء بخاری، علامہ ذیشان احمد حسان، علامہ محمد مشتاق وامجد ارباب عباسی، حبیب الحق شاہ، دیگر سٹیج پر اور سٹیج کے سامنے تشریف فرما تھے۔

اجتماع میں سینکڑوں خواتین بھی تشریف فرما تھیں جو پنڈال کے دوسری جانب سخت پردے میں شاہ جی سے اخذ فیض کرنے کے لیے تشریف فرما ہوئیں تھیں۔

محفل کی پہلی نشست میں تلاوت قاری شہزاد جبکہ نعت رسول مقبول کی سعادت علامہ عبدالحمید مدنی کے حصے میں آئی۔

ختم شریف کے بعد شاہ جی نے دعا کرنا تھی اور آپ نے دعا سے قبل اپنے مریدین کو چند ہدایت دینے کے لیے گفتگو فرمائی، یہ گفتگو کیا تھی دلوں کی تاروں کو چھیڑا جا رہا تھا، خشک سے خشک آنکھوں میں بھی محبت الٰہی وعشق رسول ﷺ کے دریا موجزن ہو رہے تھے۔ ہر آنکھ اشکبار ہو رہی تھی اور ہر دل اپنے مقدر کے ستارے کو اوجِ ثریا پر محسوس کر رہا تھا۔ اذہان وقلوب شکر خدا میں رطب اللسان ہو رہے تھے کہ مولا! تیرا شکر کیسے ادا کریں کہ تو نے اس دور میں ہمیں شاہ جی کی سنگت عطا کی۔ علامہ شیخ محمد قاسم نے کیا خوبصورت بات کی کہ جس وقت شاہ جی جلوہ افروز ہوتے ہیں وہ گھڑیاں بہت قیمتی ہوتی ہیں، شیخ قاسم نے ہمارے ذہنوں کو جھنجھوڑ کر فرمایا کہ شاہ جی فرماتے ہیں کہ ''آپ کی زیست کی عصر ہو چکی ہے''، لہٰذا ہمیں چاہیے کہ زیادہ سے زیادہ فیض حاصل کر لیں اور اپنی دنیا وآخرت کے لیے خزانہ جمع کر لیں۔ شیخ قاسم کے اس جملہ نے دلوں کو اطمینان وسکون کی دولت سے مالا مال کر دیا۔ فرمایا: ''ہماری اولاد انشاء اللہ فخر کرے گی کہ ہمارے اجداد شاہ جی پیر سید ریاض حسین شاہ جی کی سنگت میں بیٹھنے والے تھے''۔

علامہ عبدالحفیظ معارفی کے محبت وعقیدت میں لپٹے الفاظ کے جھرمٹ میں جب شاہ جی نے مائیک سنبھالا تو نہ جانے کیسے سارے حواس قوت سامعہ میں سمٹ آئے، ہمہ تن گوش ہونا سمجھ میں آ گیا، شاہ جی گویا ہوئے، کاش میں کیفیت کو الفاظ میں سمو سکتا، اک کیف تھا جو بیان سے باہر ہے، اک نور تھا جو نور والے ہی جان سکتے ہیں، اک سکون تھا جو دل والوں کو ہی میسر آ سکتا ہے، نور ونکہت وسکون اطمینان ومحبت وعشق کی فضا میں شاہ جی کی رُندھی ہوئی آواز ہمارے گوش کو نورانی کر گئی، آپ بھی ملاحظہ فرمائیے!!!

''قابل احترام ناظرین وسامعین!

ہمارا طریقہ یہ ہے کہ محفلِ ذکر وختم شریف پہلے ہوتی ہے اس لیے کہ اللہ کا نام لینا اور اللہ کا نام جپنا ہی ہمارا مقصود ہے۔ صحرائے زندگی میں کتنے ہی نشیب و فراز آئے، دنیا کی کسی چیز سے دلچسپی نہیں رہی ساری دلچسپیاں اللہ کے نام کے ساتھ ہیں۔ رونق و بہار اللہ کے نام سے ہی ہے۔ اسی سے دنیا وآخرت وابستہ ہے، دنیا میں اللہ کا نان لینا ہی امتحان ہے اور آخرت میں اسی نام سے نجات ہے''۔

سنگیوں کو داد ہمت دیتے ہوئے فرمایا:

''مجھے آپ کی محبت پر فخر ہے۔ فرمایا کہ ہمارے شجرے میں اتنے بڑے بڑے نام ہیں کہ اللہ اربوں لوگوں کو ان ناموں کے صدقے ہی معاف فرما دے گا۔ شاہ جی نے اپنے مریدین وسنگیوں سے اظہار محبت فرماتے ہوئے کہا: مجھے اپنے آباؤ اجداد کو ایصال ثواب کی اتنی فکر نہیں جتنی فکر آپ کی آخرت کی ہے۔ میں اپنے سنگیوں کو یہاں بھی نہیں بھول سکتا اور انشاء اللہ آخرت میں بھی نہیں بھول سکتا۔

ذرا دیکھیے اور وجد کیجیے کہ رقت آمیز الفاظ میں شاہ جی نے کیا الفاظ ارشاد فرمائے:

''میری دعا ہے کہ مولا! میرے سنگیوں کو میری اولاد سے بھی پہلے جنت میں داخل فرما''۔

حاضرین میں سے کوئی لوگوں کی چیخیں نکل گئیں۔

''میرا آپ کے ساتھ روحانیت کا رشتہ ہے، میں سب کے لیے دعا گو ہوں''۔

عقیدہ کی مضبوطی ملاحظہ کیجیے:

''میری دعا ہے کہ اللہ عقیدہ اہل سنت و جماعت پر ہی انجام کرے''۔

یہ جملہ شاہ جی سے تیکھی محبت کرنے والوں کے لیے کافی ہے اگر وہ تعصب چھوڑ کر راہ انصاف اختیار کریں۔

فرمایا:

''ہمارے پیر و مرشد قبلہ لالہ جی نے ہمارے نفسوں کو نچوڑا ہے، شاہ جی نے بتایا کہ 1965 میں قبلہ لالہ جی کی بیعت کی تھی۔ جیسے اس وقت لالہ جی کا مرید تھا اب بھی ویسے ہی مرید ہوں کوئی فرق نہیں پڑا۔ میرے آباؤ اجداد آسمان سے بھی اونچے ہیں''۔

(یعنی بہت اونچے مقام ومرتبہ کے لوگ ہیں)

فرمایا:

''مجھے اجتماع کا شوق و پرواہ نہیں ہے آپ سارے کے سارے بھی چلے جائیں تو پرواہ نہیں کہ میرا اللہ تو میرے ساتھ ہے''۔

عشقِ حقیقی میں ڈوبی گفتگو اور تربیتی جملوں کے بعد بیعت کے لیے آنے والے ساتھیوں کو بیعت کروائی گئی اور پھر ذکر کی محفل انعقاد پذیر ہوئی، سسکیوں اور آہوں کے ماحول میں اللہ تعالیٰ کے نام کی مالا جپی گئی، دلوں کی دھڑکنوں کو نام خدا سے آباد کیا گیا، دل کے ویرانوں کو یاد محبوب سے آباد کرنے کی سعی کی گئی۔ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب کے نغمہ جانفزاں سے بے چینی کے اندھیروں کو سکون کے اجالوں میں تبدیل کیا گیا۔ اللہ اللہ اللہ۔۔۔۔۔

ذکر کے بعد مرحلہ دعا کا تھا۔ شاہ جی کی گفتگو اور اللہ کے ذکر سے دل پہلے ہی موم ہو چکے تھے اور آنکھیں چھم چھم برس رہی تھیں کہ رقت آمیز رُندھی ہوئی آواز سے جب شاہ جی نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو ہمارے قلوب کو گویا مٹھی میں لے لیا۔ شاہ جی نے اپنے معمول کے مطابق نہایت خوبصورت اور دلوں کو تڑپا دینے والی اخلاص پر مبنی دعائیں کیں، شاہ جی کی اپنے سنگیوں سے محبت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو رہی تھی۔ آپ نے اپنے پاس بیٹھنے والوں کو بھی دعا میں شریک کیا اور ان کیلیے بھی اللہ تعالیٰ سے دنیا وآخرت کی نعمتیں مانگیں۔

پھر ظہر کا وقفہ ہوا۔ اس دوران شاہ جی خواتین کو بیعت کروانے کے لیے تشریف لے گئے۔ ظہر کی نماز کے فوراً بعد دوسری نشست کا آغاز ہوا۔

دوسری نشست میں جناب صفدر علی محسن کی نقابت، قاری اصغر منظور کی تلاوتِ قرآن اور سید زبیب مسعود شاہ کی نعت نے سماں باندھے رکھا۔ مفتی محمد لیاقت نقشبندی نے ڈاکٹر ظفر اقبال نوری کی لکھی شاہ جی کی منقبت سنائی، جو ڈاکٹر ظفر اقبال نوری نے اس اجتماع کے لیے خصوصی طور پر رقم کی۔ مفتی محمد لیاقت نے بتایا کہ ڈاکٹر ظفر اقبال نوری کی شاہ جی سے رفاقت

نصف صدی کی ہے اور اتنا عرصہ شاہ جی کو جان کر ان کی غلامی میں استقامت سے رہنا ثابت کرتا ہے کہ شاہ جی بہت اونچے ہیں۔

شاہ جی نے اپنے نورنور انداز اور دلوں میں کھبنے والی آواز سے عربی خطبہ میں سورۃ الزمر کی آیت نمبر 16، 17، 18 تلاوت کی ان آیات کا ترجمہ شاہ جی کے ترجمہ قرآن ''تذکرہ'' سے درج کیا جاتا ہے:

''اے میرے بندو! مجھ ہی سے ڈرو اور وہ لوگ جنہوں نے شیطانوں کی عبادت کرنے سے اجتناب کیا اور انابت الی اللہ اختیار کی ان کے لیے خوشخبری ہے، سو میرے ان بندوں کو خوشخبری سنا دیں۔ جو غور سے دل لگا کر بات سنتے ہیں اور اچھے طریقے سے اس کا اتباع کرتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت بخشی ہے اور پختہ عقل کے مالک بھی یہی ہیں''۔

گفتگو کا آغاز اللہ تعالیٰ کے شکر سے کرتے ہوئے شاہ جی نے فرمایا کہ میرا کوئی سابقہ لاحقہ نہیں میں مٹی ہوں لیکن میری نسبت ابوتراب سے ہے۔

آیت کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا:

یٰعباد میں یائے نسبتی محذوف ہے معنی یہ ہے کہ اے میرے خاص بندو!۔ امام جعفر پاک ارشاد فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آواز دیتا ہے تو گویا ساری تھکاوٹیں دور ہو جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے بات کرتا ہے۔ یٰعباد فاتقون۔ اے میرے خاص بندو مجھی سے ڈرو۔ بس مجھی سے ڈرو تقویٰ اختیار کرو، زندگی صاف ستھری کرو۔

پہلا نکتہ:

زندگی میں وہ انسان بڑے کرم والا ہوتا ہے جس میں جوہر ضبط ہو۔ چنگاری کی طرح سلگے بھی نہ اور گیند کی طرح اچھلے بھی نہ، موسم خزاں کے زرد پتے کی طرح گر کر نابود بھی نہ ہو۔ جج، عالم، پیر، مرید، سپاہی، لیڈر وہی اچھے ہیں جن میں ضبط ہے۔ تقویٰ ضبط ہی تو ہے۔ ضبط نفس یعنی اپنے اوپر کتنا کنٹرول ہے۔ گناہ کے مواقع سامنے آئیں تو کیا آپ گناہ سے رک سکتے ہیں؟ دعوت گناہ سے رک سکتے ہیں؟ کسی نے کہا علی علی نہ کرو تو کیا آپ ذکر علی پر قائم رہ سکتے ہیں؟ ضبط نفس کی تین جہتیں ہیں۔ یوسف علیہ السلام کو ایک عورت نے دعوت دی تھی تو رب نے کہا اگر یوسف برہان نہ دیکھ لیتے تو عورت نے تو خطرناک دعوت دی تھی لیکن یوسف نے دیوار میں تصویر یعقوب دیکھی، یہی برہان ہے۔

دوسرا نکتہ: ضبط کون کر سکتا ہے:

شاہ جی نے نسبتوں کی اہمیت اشارہ ہی اشارہ میں سمجھا دی، فرمایا:

''ضبط وہی کرتا ہے جس کو تصویر بن کر کوئی منع کرنے والا ہو، جس کا کوئی پیر ہے وہ آوارہ نہیں ہو سکتا، وہ بے قابو نہیں ہو سکتا، حضرت بایزید بسطامی نے فرمایا ہے کہ جس کا کوئی شیخ نہیں اس کا شیخ شیطان ہے''۔

فرمایا:

جو ضبط نفس کر لے وہ مٹی ہوتا ہے اور جو ضبط نفس سکھا دے وہ ابوتراب ہوتا ہے۔ شیطان ہمیشہ ادھر سے روکتا ہے جدھر سے بندہ ''بندہ'' بن سکتا ہے۔ ہم حیدر حیدر اس لیے کرتے ہیں کہ ہم حیدر سے بن سکتے ہیں۔

شاہ جی نے دور حاضر کے پریشان ذہنوں کو کیا خوبصورت دعوت محبت دی:

''جب ہم اللہ کی توحید سکھاتے تھے تو لوگ ہمیں وہابی کہتے تھے، جب ہم یارسول اللہ کے نعرے سکھاتے تھے وہ لوگ ہمیں بدعتی کہتے تھے اور جب ہم حیدر حیدر سکھاتے ہیں تو لوگ کہتے ہیں کہ رافضی ہیں۔ ہم نہ یہ ہیں نہ وہ ہیں ہم تو فقط مصطفیٰ کریم ﷺ کے نوکر ہیں۔ یہی ہماری پہچان ہے''۔

ضبط کے تین اجزا ہوتے ہیں ایک اطاعت دوسرا تقویٰ اور تیسرا بندے کا اپنا کچھ رہتا نہیں جس سے محبت کرتا ہے اسی کا سب کچھ ہوتا ہے یعنی محبوب کو مالک جان لینا۔

اطاعت کو ایک خوبصورت مثال دیتے ہوئے سمجھایا:

اطاعت میں مشقت ہے، کچھ ڈانٹ بھی ہے کہ یہ کام کرو۔ ایک چھوٹا بچہ جب صبح اٹھتا ہے اس کا دل کرتا ہے کہ منہ ہاتھ دھوئے بغیر ناشتہ کروں لیکن ماں کھانے نہیں دیتی پہلے ہاتھ منہ دھلواتی ہے وضو کرواتی ہے پھر ناشتہ دیتی ہے۔ تو اطاعت میں تھوڑی مشقت ہے۔ یہی بندہ جس وقت بڑا ہو جائے تو ماں کہتی ہے کہ پُتر! ناشتہ ٹھنڈا ہو گیا ہے جلدی آ لیکن یہی بندہ کہتا ہے کہ جب تک ہاتھ منہ نہیں دھوتا آ نہیں سکتا۔ پہلا مقام اطاعت ہے اور دوسرا مقام تقویٰ ہے۔ اطاعت کا مقام بندے کو اٹھا کر حضور ﷺ کی غلامی میں دے دیتا ہے مثلاً صبح اٹھنے کی مشقت، وضو کرنے کی مشقت، نیند چھوڑنے کی مشقت، وقت دینے کی مشقت، کاروبار کا نقصان برداشت کرنے کی مشقت، لیکن جب تقویٰ آ جاتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ مزہ محمد عربی ﷺ کی اطاعت میں ہی ہے۔

سنگیوں اور محبان علی کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

''آپ لوگوں کو کیوں مجبور کرتے ہیں کہ ہمارے ساتھ علی علی کریں،

بیٹا! کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

جو علی کو نہیں مانتے ان کا جہان اور ہے اور جو علی کو مانتے ہیں ان کا جہان اور ہے۔ میں نہ ماننے والوں سے نہیں کہہ رہا میں ماننے والوں سے کہہ رہا ہوں اس لیے کہ اللہ نے جو آواز ماری ہے وہ ماننے والوں کو ماری ہے، نہ ماننے والوں کو مخاطب نہیں فرمایا۔ یٰعباد ''او! میرے خاص بندو'' الفاظ میں موجود گہرائی کو محسوس کریں۔ اس کا مطلب ہے کہ عام بندے اور ہیں اور خاص بندے اور ہیں۔ خاصاں دی گل عاماں اگے نئیں مناسب کرنی۔ صدیق وعلی کو ماننے والے اور نہ ماننے والے برابر نہیں ہو سکتے''۔

کیا خوبصورت جملہ شاہ جی نے ارشاد فرمایا:

''میرے سوہنیو! زیادہ چالاک نہ بنو بلکہ مٹی بنو مٹی۔ دانہ خاک میں مل کر گل وگلزار ہوتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ علی میرا ابوتراب ہے جو اس مٹی میں ملے گا گل وگلزار ہو جائے گا''۔

اطاعت میں مشقت ہوتی ہے لیکن تقویٰ میں بندے کو مزہ آتا ہے، نماز پڑھو راحت ملتی ہے درود پڑھو لطف ملتا ہے، درود شریف رہ جائے تو بندہ پریشان ہو جاتا ہے، تکلیف ہوتی ہے اس میں راحت ہے، لیکن جس وقت بندہ سب کچھ محبوب کے سپرد کر دیتا ہے وہ **لاخوف علیھم و لا ھم یحزنون** بن جاتا ہے، اس کو کچھ غم ہی نہیں رہتا۔

بہت پیاری مثال دیتے ہوئے شاہ جی نے بات سمجھائی کہ آپ اپنے گھر ہوں تو بہت سی مشقتیں کرنا پڑتی ہیں آٹا لاؤ، روٹی پکاؤ، خرچے کا اہتمام کرو لیکن یہاں آ گئے تو پکی پکائی روٹی میسر آ گئی، بندو! جس وقت بندہ اپنا آپ کسی کے سپرد کر دیتا ہے تو اس کو پکی

پکائی جنت مل جاتی ہے، حضور ﷺ ہمیں تیار شدہ جنت دلاتے ہیں، جن کے پاس ہوگی وہی دیں گے، جو جنت کے سردار ہوں گے وہی جنت دیں گے، لوگو! جنت کے سرداروں سے مانگو، جنت کے سردار تو حسن و حسین ہی ہیں۔ کہتے ہیں کمینوں سے کبھی خیرات نہ مانگو"۔

"ائر مارشل خان اصغر خان نے ایک مرتبہ پوچھا آپ اپنے نام کے ساتھ سید کیوں لکھتے ہیں، میں نے ہنس کے کہا آپ اپنے نام کے ساتھ خان کیوں لکھتے ہیں۔ کہنے لگے بتاتا ہوں آئیں میری گاڑی میں بیٹھیں۔ ایک جگہ نیچے اترے اور ایک بندے کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگے کہ یہ بندہ کیا کر رہا ہے میں نے کہا کہ یہ خان ہے اور اپنی سائیکل صاف کر رہا ہے، خان اصغر خان نے کہا کہ اس سے نام پوچھو، میں نے نام پوچھا تو کہنے لگا کشکول خان۔ تو خان اصغر خان کہنے لگے کہ ہم خان اس لیے لکھتے ہیں کہ ہماری سائیکل بھی ہو تو ہم غیرت کے ساتھ اس کو بھی صاف کر کے رکھتے ہیں، پالش کر کے بھی ہم رزق حلال کماتے ہیں ہم اس لیے خان لکھتے ہیں۔ بات تو غیرت کی ہے۔ تو میں نے کہا کہ میں بہادری کو پسند کرتا ہوں، علم کو پسند کرتا ہوں، اطاعت کو پسند کرتا ہوں، نسبت کو پسند کرتا ہوں، میں چونکہ اولاد ہی رسول کریم ﷺ کی ہوں میں کیوں نہ سید لکھوں، آپ خان لکھیں میں سید لکھوں گا۔ نسبتیں فراموش نہیں کی جاتیں، نسبتیں بھولنے والا بے وفا ہوتا ہے"۔

یہ بات تو اغیار بھی مانتے ہیں کہ شاہ جی کو خریدا نہیں جا سکتا، اسی وجہ سے تو دنیادار اور حکمران شاہ جی سے دور رہتے ہیں کیونکہ ان کے سفلی مقاصد شاہ جی سے پورے نہیں ہو سکتے، جب آپ جماعت اہل سنت پاکستان کے مرکزی ناظم اعلیٰ تھے تو اس وقت کا ایک واقعہ سناتے ہوئے شاہ جی نے فرمایا:

"کراچی کی ایک پارٹی نے 26 کروڑ دینے کی پیشکش کی اور مطالبہ کیا کہ فلاں سید کو جماعت سے نکال دو میں نے کہا تمہیں سیدوں کے خون کی قیمت کا علم ہی نہیں، تم نہیں جانتے کہ یہ نسبت کون سی ہے"۔

فرمایا:

"تقویٰ، اطاعت، روحانیت سب میں علم ضروری ہے۔ تھوڑا ہو یا زیادہ ہو، لیکن علم حاصل کرنا ضروری ہے"۔ اپنے صاحبزادوں کے بارے میں فرمایا کہ ان کو خلافت میرے چچا حضرت عبد المنان شاہ جی نے عطا فرمائی ہے، اب میں کبھی کبھی ان کو پیار سے پیر جی کہہ کر مخاطب کرتا ہوں اس لیے کہ میرے بزرگ چچا جی کی نشانی ہیں"۔

تربیتی نقطہ نظر سے ایک جملہ ملاحظہ کیجیے:

"پیر تربیت کیا کرتا ہے اور مرید عزت دیا کرتا ہے"۔

اس جملہ نے بہت سے اذہان کو طہارت عطا فرما دی جو اس نیت سے شاہ جی کی محافل میں آتے ہیں کہ ہمیں عزت ملے، شہرت ملے، محفل میں نمایاں جگہ ملے۔ شاہ جی نے بتا دیا کہ عزت دینا مرید کا فرض ہے وہ صرف اس نیت سے اپنے شیخ کی بارگاہ میں آئے کہ اسے تربیت حاصل کرنا ہے۔

علم دشمنی کے پانچ حوالے بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"مدرسے آباد کرو، قرآن پاک کی تعلیمات کا پرچار کرو، قرآن سے رشتہ استوار کرو، جابر بن حیان طب، کیمسٹری، فلسفے کا ماہر ہے، معروف سائنسدان ہیں جن کے بارے ویکیپیڈیا میں بھی لکھا ہے کہ جابر بن حیان امام جعفر صادق کے بارے فرمایا کرتے کہ جعفر میرے مولا ہیں۔ اس لیے کہ وہ مولا علی کی اولاد ہیں۔ ان کا حشر کیا ہوا؟ چھ سو سال کتابیں پڑھائی گئیں، ان کی ماں نے فرمایا تھا کہ علی کا خاندان نہ چھوڑنا، امام جعفر کے بیعت ہو جاؤ، تو ان کی ماں کو حکمران نے کوڑے مارے کہ بیٹے کو علی کا نام کیوں سکھایا، ماں نے کہا بیٹا اس جگہ مار دیں گے علی علی نہیں کرنے دیتے"۔

یہ جملہ کیا کہنا تھا کہ ایک خاص کیفیت شاہ جی پر طاری ہوگئی، گویا وجد میں کہہ رہے تھے کہ لوگو! اس جگہ علی علی نہیں کرنے دیتے، حیدر حیدر نہیں کرنے دیتے۔ یہ کیفیت اور جملے سن کر لوگ بھی وجد میں آ کر حیدر حیدر کرنے لگے۔ شاہ جی نے اسی کیفیت میں آ کر فرمایا جو ملاں تمہیں حیدر حیدر سے منع کرے تو تم خوب محبت سے پکار پکار کر کہو حیدر حیدر حیدر۔۔۔۔

اپنے عقیدے کے متعلق تمام شکوک وشبہات دور کرتے ہوئے فرمایا:

"میں کسی صحابی کا مخالف نہیں جن کو رضی اللہ عنہ کہا جاتا ہے وہ معزز ہیں، اونچے ہیں ان کی عزت ہے"۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بارے عقیدہ پر فرمایا:

"اہل سنت علماء نے جو کہا ہے کہ ان سے اجتہادی خطا ہوئی ہے، میں اسے مانتا ہوں، لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ خطا کے جلوس نہیں نکالے جاتے، غلطی قابل اطاعت نہیں ہوتی، قابل اطاعت حق ہوتا ہے"۔

شاہ جی کے اس جملہ کو پھر غور اور تعصب کی عینک اتار کر پڑھیں تو سب کچھ واضح ہو جائے گا۔

یعقوب کندی بہت بڑے سکالر تھے ایک ملاں نے حاکم کو شکایت کی کہ یہ آدمی ٹھیک نہیں ہے یہ بہت علی علی کرتا ہے، اس کو سزا دو۔ تو یعقوب کندی کو مسجد کے سامنے کوڑے مارے گئے کیمیا، فلکیات، ریاضی اور طبعیات اور فلسفے سمیت پانچ علوم کے اس ماہر کو ساٹھ سال کی عمر میں کوڑے مارے گئے۔ صرف اس وجہ سے کہ وہ مولا علی سے پیار کرتا تھا۔ کیا مولا علی سے پیار جرم ہے لوگو!!!

یورپ کی نشاۃ ثانیہ میں کلیدی کردار ادا کرنے والے ابن رشد کو آخری عمر میں جامع مسجد کے ستون کے ساتھ باندھا گیا اور ہر نمازی کو کہا گیا کہ اس کو تھپڑ مارو اور اس کے منہ پر تھوکو۔ پھر گمنام جنگل میں چھوڑ دیا گیا۔ آخری عمر میں جنگلوں میں پھرتا تھا اور کہتا تھا کہ حضور ﷺ میں آپ کا نوکر ہوں، اے علی رضی اللہ عنہ آپ میرے مرشد ہیں اگر آپ نے بھی میرے ساتھ کرم نہ کیا تو میں کدھر جاؤں گا۔

ابن سینا کی کتاب طب اور کیمیا اب بھی پڑھائی جاتی ہیں، حاکم کسی وجہ سے ناراض ہو گیا تو اس کی کتابیں لوگوں کے ہاتھوں میں دے کر کہا کہ اس کے سر پر اس کی کتابیں اتنی مارو کہ اس کا سر پھٹ جائے اور کتابوں کو آگ لگا دو۔ وہ کہتا لوگو مجھے کیوں مارتے ہو؟ علم تو محمد مصطفیٰ ﷺ کی سنت ہے اور اس طرح مار دیا گیا۔

ایک ہزار سائنسدان امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے اور تین وقت لنگر تیار کیا جاتا، آپ فرمایا کرتے تھے کہ جب تک میں زندہ ہوں تمہیں علم سیکھنے سے کوئی روک نہیں سکتا۔ تو میں نے کہا کہ تقویٰ کی بنیاد علم ہے۔ اور اطاعت کی بنیاد بھی علم ہے۔ علماء عزت کے قابل ہیں۔ علامہ عطا محمد بندیالوی نے بھی آخری

عمر میں ایمان ابوطالب پر کتاب لکھی ہے۔

تقویٰ کا تقاضا ہے کہ طاغوت کو نہ مانو۔ طاغوت کیا ہے؟ پانی میں سیلاب آ جائے تو آپ کہتے ہیں طغیانی آ گئی، حد سے نکل جانا، طاغوت کہلاتا ہے، بت طاغوت ہیں اللہ کو نہ ماننا طاغوت ہے۔ اللہ فرماتا ہے: واجتنبو الطاغوت۔ بتاؤ خانہ کعبہ میں بت کس نے توڑے؟ حضور ﷺ نے کندھوں پر کس کو اٹھایا، اصل بات یہ تھی کہ جس نے کبھی سر کو بتوں کے آگے نہیں جھکایا وہی بتوں کو توڑے۔ علی وہ ہے جو پیدا ہی کعبہ میں ہوا، جو بتوں کی مذمت کرتا ہوگا اسے علی علی کرنا ہوگا۔

حضور نے ارشاد فرمایا تین آدمی کہ جنت ان کی عاشق ہے، سلمان فارسی، نقشبندیوں کے پیر، ابوبکر صدیق کے مرید۔ سلمان فارسی سے کہا گیا کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ تین آدمیوں کی جنت عاشق ہے تو اس کی کیا وجہ ہے تو فرمایا کہ قسم خدا کی جب بھی حضور ﷺ سے ملا ہوں حضور ﷺ نے کندھے پر ہاتھ رکھا اور فرمایا تھا سلمان! علی کو کبھی نہ چھوڑنا۔

دوسرے ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ، یہ وہ ہیں جنہوں نے کبھی بھی علی کو نہیں چھوڑا۔ یہ تو علی کو سونگھتے اور کہتے جس کو سونگھتا ہوں دنیا کی بُو آتی ہے لیکن علی سے دنیا کی بُو نہیں آتی۔

کسی بندے نے کہا کہ شاہ جی آپ بہت علی علی کرنے لگے ہیں تو میں نے کہا کہ عشق ہے علی سے تو کیا کروں؟ ہم سب صحابہ کی عزت کرتے ہیں۔

مانتے سب ہی ہیں علی کو، لیکن اظہار سے ڈرتے ہیں، کئی سید زادے بھی اسی وجہ سے اظہار نہیں کرتے کہ ڈرتے ہیں کہ لوگ رافضی کہہ دیں گے شیعہ کہہ دیں گے۔

تیسرے سعید ابن زید رضی اللہ عنہ، یہ وہ بزرگ ہیں کہ شام میں ایک دربار لگا مغیرہ بن شعبہ محفل کے سالار تھے، ان کے سامنے کسی بندے نے علی کو گالی دے دی تو حضرت سعید ابن زید کھڑے ہوئے اور کہا کہ مغیرہ! میں علی کو گالیاں نہیں نکالنے دوں گا، اس کی کیوں گالی دی ہے۔ عنوان بدلنے کے لیے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ عشرہ مبشرہ کون ہیں تو آپ نے سب کے نام گنوا کر کہا کہ میں سعید بن زید بھی انہی دس لوگوں میں شامل ہوں جن کو حضور ﷺ نے جنت کی خوشخبری سنائی ہے۔ حضرت عمر فاروق اعظم نے اسلام لانے پر جس بہن کو مارا تھا سعید بن زید اس بہن کے خاوند ہیں یعنی حضرت عمر کے بہنوئی ہیں۔ آخری عمر میں کھڑے ہو گئے کہ علی کو کچھ کہنے نہیں دوں گا۔

نئے بننے والے چیف آف سٹاف کے بارے میں کسی شخص نے شاہ جی سے پوچھا کہ کیا یہ آپ کے واقف ہیں تو میں نے کہا کہ اگر وہ کہیں تو پھر واقف ہوں میں خود اپنی طرف سے کیا اور کیوں کہوں۔ ان کے والد صاحب میرے ساتھ جمعہ پڑھتے تھے لیکن اگر وہ نہ مانیں تو میں کیوں کہوں۔

جو بچھ گیا ہو کوچہ دیوار یار میں
اس بوریئے پہ تخت سلیماں نثار ہو

دیکھئے! کتنا بڑا اشارہ فرما دیا شاہ جی نے:

اے میرے بیٹو! یہ خطاب میری آخری عمر کے خطابات میں سے ہے۔ حق کے مخالف کے دروازوں پر نہ جاؤ، اگر علی علی کرنے سے کچھ نہ بھی ملے تو یاد رکھو حضور ﷺ تو خوش ہو جائیں گے۔

عبادت کا نظام قائم کریں، نمازیں پڑھیں، سبحان اللہ، الحمدللہ پڑھیں، قرآن پاک پڑھیں، ذکر ٹھیک کرو، آئیڈیالوجی ٹھیک کرو، ہر کام میں اللہ کی طرف نظر رکھو۔

ایک بہت بڑے راز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ جاتے جاتے باجوہ صاحب کیا کہہ گئے کہ ہم سے غلطیاں ہوئی ہیں ریاض حسین شاہ سے غلطی نہیں ہوئی۔ مولوی صاحب راتیں آپ کی کدھر گزری ہیں، کیوں دین فروشی کی ہے، کیوں خرید و فروخت کی ہے، ہم اللہ کے فضل سے ادھر ہیں جدھر مصطفیٰ کریم ﷺ کے قدم مبارک ہیں۔ میرے مسلک اہل سنت کو جس طرح تم نے تار تار کیا ہے، اہل سنت کو دہشت گرد قرار دیا ہے۔ ریاض شاہ تو ڈٹ گیا تھا میں نے کہہ دیا تھا کہ میں جماعت چھوڑ دوں گا، ملک چھوڑ دوں گا، میرے گھر کو آگ لگا دو لیکن یاد رکھنا سچا میرا نبی ﷺ ہی ہے، سچا قرآن ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا کہ مومن وہ ہے جس کے دستر خوان سے تقی اور نقی کھاتا ہے۔

آج ایک انگریز مصنف کو پڑھ رہا تھا اس نے کہا کہ موسیقی دل کی بیماری کو اتنا ٹھیک نہیں کرتی جتنا قرآن سننا فائدہ مند ہے، قرآن کی تلاوت سننے سے بارہ بیماریاں دور ہوتی ہیں۔ گاڑیوں کے اندر قرآن کی تلاوت لگاؤ، اگر پڑھ نہیں سکتے تو سن تو سکتے ہو۔

آج ہی سورۂ حجر کی تفسیر مکمل ہوئی اور سورۂ نحل کی تفسیر شروع کی ہے، بارہ ہزار صفحات لکھ چکا ہوں، اتنی مصروف زندگی میں۔ مجھے اپنے اور بیگانوں سب نے پڑھا ہے، الحمدللہ۔

داڑھی کو مہندی لگانے پر بھی بات ارشاد فرمائی کہ انگلینڈ سے ایک شخص نے پوچھا کہ آپ کی داڑھی سرخ کیوں ہے تو میں نے حدیث سنائی کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو داڑھی کو سرخ کرے وہ بہت ہی اچھا ہے جو سفید رکھے وہ صرف اچھا ہے یعنی اچھا وہ بھی ہے لیکن جو مہندی لگائے اس کو حضور ﷺ نے بہت اچھا قرار دیا ہے۔

شاہ جی کی نور نور گفتگو تو صفحہ قرطاس پر کما حقہ منتقل کرنا ناممکن ہے، اس کی کیفیات اور شاہ جی کے الفاظ میں چھلکتا نور اسی وقت سمجھ آ سکتا ہے جب آنکھیں شاہ جی کی زیارت کر رہی ہوں اور کان شاہ جی کے الفاظ اپنے سینے میں سمو رہے ہوں لیکن ''اب میرا نام بھی آئے گا تیرے نام کے ساتھ'' کے مصداق شاہ جی کے الفاظ آگے پہنچانے پر یقیناً اللہ ہماری آخرت بہتر بنا دے گا۔ ہم محبت چھپانے کے قائل نہیں، ہم ڈنکے کی چوٹ پر کہتے ہیں کہ ہم شاہ جی کے غلام ہیں۔ شاہ جی کے نوکر ہیں، شاہ جی کے نام لیوا ہیں، جو ان کا ہے وہی ہمارا ہے اور جو شاہ جی کا نہیں اس سے ہمارا کوئی واسطہ بھی نہیں۔

وصل ہوئی میں نال سجن دے، شرم وحیانوں گوا کے
وچ گلشن دے پلنگ وچھایا، یار سُتی گل لا کے

اگر دنیاوی محبوب کی محبت عار نہیں تو ایسے شاہ جی جو ہماری آخرت کا سرمایہ ہیں ہم ان کی محبت کیوں چھپائیں۔

صاحبو!!! پکار پکار کے کہا کرو ہم شاہ جی کے ہیں، شاہ جی کے تھے اور شاہ جی کے رہیں گے۔ ہمارا عقیدہ وہی ہے جو شاہ جی کا ہے، ہمارے افکار وہی ہیں جو شاہ جی کے ہیں، ہمارا راستہ وہی ہے جو شاہ جی کا ہے، ہماری منزل وہی ہے جو شاہ جی کی ہے اور ہماری کشتی بھی تو شاہ جی کی ہی ہے۔ اگر اس میں جگہ نہ ملتی تو کہاں جاتے۔

شاہ جی قبلہ!!! ہماری غلامی کو سند قبولیت عطا فرما دیں۔ صرف ایک نظر عنایت فرما دیں، ہماری قبر کا سہارا، ہمارے محشر کی عزت اور ہماری آخرت کا سرمایہ تو بس آپ ہیں، صرف آپ ہیں۔ اللہ ہمیں آپ سے جوڑے رکھے۔ آمین ثم آمین

دعا

آصف بلال آصف

دعا آواز سے، کلام سے اور دل سے اللہ تعالیٰ کی طرف مائل ہونے کا نام ہے۔۔۔دعا سوال ہے۔۔۔ دعا التجا ہے۔۔۔دعا پکار ہے۔۔۔دعا اللہ اور بندے کے درمیان ایک قیمتی رابطہ ہے جس میں سراسر فائدہ بندے کا ہے۔۔۔دعا ایک فانی کا ابدی سے رابطے کا ذریعہ ہے۔۔

جب انسان اپنے دستِ نیاز کو بارگاہِ خداوندی میں اٹھا کر خود کو ذلیل وخوار، عاجز وناتواں اور خالق کو صاحبِ اختیار، مالکِ حقیقی اور بے نیاز سمجھتا ہے ۔۔۔تب دعا قائم ہوتی ہے۔

ایسی حالت میں جب اس ذاتِ عظیم سے رَبط قائم ہوتا ہے۔تو انسان کو ایک کیف وسرور کی کیفیت حاصل ہوتی ہے۔اس کی روح اور دل قرار پکڑتے ہیں۔۔۔دل کا اضطراب، الجھن اور بے قراری ناپید ہو جاتی ہے۔۔۔محویت کے اس مقام پر دعا مانگنے والے کو تسلی اور اطمینانِ قلب عطا ہوتا ہے۔۔۔دعا مانگنے والے کو یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے اس کی فریاد سن لی گئی ہے۔اُسے سہارا دے دیا گیا ہے۔کسی نے اس کا ہاتھ تھام لیا ہے اور اب سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔۔۔یہ کیفیت دراصل دعا کی فضیلت ہے۔۔۔

دعا انسان کی قدیم ترین فطرت ہے۔۔۔دعا کا تعلق کسی ایک مذہب سے منصوب نہیں ہے یہ انسان کی فطرت میں شامل ہے۔۔۔زندگی کا دباؤ جب حد سے بڑھتا ہے تو انسان دعا کی طلب اپنے دل میں موجزن پاتا ہے۔۔۔اور پھر گڑگڑانے میں ہی عافیت محسوس کرتا ہے ۔۔۔ سب دعائیں قبول کی جاتی ہیں۔۔۔اللہ، رب العالمین ہے وہ سارے انسانوں کا خدا ہے۔۔۔وہ سب کی سنتا ہے۔۔۔

ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ کا فرمانِ ذیشان ہے: "اپنی حاجات اللہ کی بارگاہ میں لے جاؤ اور حوادث کی صورت میں اللہ کی پناہ میں آ جاؤ۔اسی کی طرف گریہ زاری کرو اور اسی کو پکارو کیونکہ دعا عبادت کا مغز ہے"۔۔۔

دعا مانگنے کے طریقے مختلف ہو سکتے ہیں۔۔۔لیکن بہرحال دعا مانگنا بھی انسان کے لیے کسی نعمت سے کم نہیں۔۔۔دعا مانگنے کے بے شمار طریقے ہیں۔۔۔کوئی آواز سے مانگتا ہے۔۔۔کوئی گڑ گڑا کر روتے ہوئے سوال کرتا ہے۔۔۔کوئی راز و نیاز میں حاجت پیش کرتا ہے۔۔ ۔شدتِ غم اور مصیبت کے انتہائی لمحوں میں اشکوں سے بھری آنکھو ں کا آسمان کی طرف اٹھ جانا بھی دعا کہلاتا ہے۔۔۔دعا اپنی اصل میں ایک کیفیت ہے ۔۔۔ایک خوبی ہے۔۔۔یہ خوبی کسی متکبر انسان کا گدا ہو جانا ہے۔۔ ۔دعا نفس کی عارضی اطاعت ہے ۔۔۔کچھ ہی لمحوں کے لیے سہی، لیکن جب بھی یہ اطاعت پیدا ہوتی ہے دعا کہلاتی ہے۔۔۔دعا کرنے کے بعد انسان کو اس دعا کی قبولیت کی امید ہوتی ہے لیکن اکثر سننے میں آتا ہے کہ کچھ دعائیں قبولیت کا اثر نہیں دکھاتیں۔۔۔اب اللہ تعالیٰ تو کہتا ہے کہ مانگو میں عطا کرنے والا ہوں۔۔۔بلکہ وہ تو دعا نہ مانگنے والے پر ناراض ہوتا ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ بعض دعائیں قبولیت کے درجے پر پہنچتی ہوئی دکھائی نہیں دیتیں۔۔۔دراصل انسان اپنی ہر دعا کو اسی دنیا میں ثمر بار ہوتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہے لیکن وہ خالقِ حقیقی بہتر جانتا ہے کہ ہمارے لیے اس دنیا میں کیا ضروری ہے اور کتنا کچھ اگلی دنیا کے لیے ضروری ہے۔۔۔اس لیے جو دعائیں بظاہر قبول ہوتی ہوئی محسوس نہیں ہوتیں ان کا اجر اور اثر اللہ تعالیٰ مانگنے والے کو ہمیشہ رہنے والی زندگی میں عطا فرما دے گا۔۔۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔۔۔"اور کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ تم ایک چیز مانگتے ہو اور وہ حاصل نہیں ہوتی۔مگر دنیا یا آخرت میں سے بہتر چیز تمہیں مِل جاتی ہے یا تمہارے کسی بہتر مفاد کی خاطر تمہیں اس سے محروم کر دیا جاتا ہے، اس لیے کہ تم کبھی کبھی ایسی چیزیں بھی مانگتے ہو کہ اگر تمہیں دے دی جائیں تو تمہارا دین تباہ ہو جائے۔۔۔"

ضروری یہ ہے کہ انسان پورے ہوش وحواس اور مکمل توجہ سے سوچ سمجھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرے لیکن ہوتا اس کے برعکس ہے کہ اکثر اوقات دعا کو ایک فارمیلیٹی کے طور پر ادا کیا جاتا ہے۔۔۔دعا عبادت کا مغز ہے یہ صرف فارمیلیٹی نہیں ہے۔۔۔دعا صرف الفاظ کے پڑھ دینے یا دہرا دینے کا نام نہیں ہے۔۔ ۔تذبذب میں مانگی گئی دعا بھی کوئی دعا ہے۔۔۔۔؟

کیا کوئی ایسا بھکاری کبھی کسی نے دیکھا ہے جو اس بات پر متذبذب ہو کہ وہ جو مانگ رہا ہے وہ ٹھیک ہے یا غلط ۔۔۔گدائی کا سلیقہ ہونا چاہیے جو مانگنا ہے پورے ارادے سے مانگنا چاہیے اور پھر دعا کی قبولیت کا ایسا یقین ہونا چاہیے کہ جتنا اپنی موت کا۔۔۔حضور پاک ﷺ کا ارشاد پاک ہے کہ "تم اللہ کی بارگاہ میں قبولیت کے یقین کے ساتھ دعا کرو"۔

جن لوگوں کو لگتا ہے کہ ان کی کچھ دعائیں قبول ہوتی ہیں اور کچھ نہیں ۔انہیں خبر ہونی چاہیے کہ ساری دعائیں قبول ہوتی ہیں۔۔۔یہ انسان کے ایمان کی کمی ہے کہ اسے دعا کی قبولیت پر شک ہو۔

مانگنے کا جو طریقہ ہے مانگ لو اس رب سے
میرے خدا کے در سے بندوں کو کیا کیا نہیں ملتا

ایک حکایت ہے کہ ایک بہت ہی گنہگار شخص حج ادا کرنے چلا گیا۔۔۔وہاں کعبہ کا غلاف پکڑ کر بولا "الٰہی اس گھر کی زیارت کو حج کہتے ہیں اور کلمہ حج میں دو حرف ہیں "ح" سے تیرا حکم اور "ج" سے میرا جرم مراد ہیں۔۔۔تو اپنے حکم سے میرے جرم معاف فرما دے۔

آواز آئی ! اے میرے بندے تو نے کتنی عمدہ مناجات کی۔۔۔پھر کہو۔۔۔

وہ دوبارہ نئے انداز سے پکارتا ہے۔۔۔۔اے میرے بخشنے والے !اے غفار! تیری مغفرت کا دریا گنہگاروں کی مغفرت و بخشش کیلئے پُر جوش ہے اور تیری رحمت کا خزانہ ہر سوالی کے لیے کھلا ہے۔۔۔الٰہی اس گھر کی زیارت کو حج کہتے ہیں اور کلمہ حج میں دو حرف ہیں "ح" سے میری حاجت اور "ج" سے تیرا جود و کرم مراد ہے۔تو اپنے جود و کرم سے اس مسکین کی حاجت پوری فرما دے۔

آواز آئی۔۔۔اے جوان مرد! تو نے کیا خوب حمد کی۔۔۔پھر کہو۔۔۔

وہ پھر عرض کرنے لگا اے خالق کائنات! تیری ذات ہر عیب و نقص اور کمزوری سے پاک ہے۔۔۔تو نے اپنی عافیت کا پردہ مسلمانوں پر ڈال رکھا ہے ۔۔۔میرے رب! اس گھر کی زیارت کو حج کہتے ہیں اور کلمہ حج میں دو حرف ہیں "ح" سے مراد میری حلاوتِ ایمانی اور "ج" سے تیرا جلال مراد ہے۔۔۔تو اپنے جلال کی برکت سے اس ناتواں ضعیف بندے کے ایمان کی حلاوت کو شیطان سے محفوظ رکھنا۔۔۔آواز آئی! اے میرے مخلص ترین عاشق و صادق بندے تو نے میرے حکم میرے جود و کرم اور میرے جلال کے توسل سے جو کچھ طلب کیا ہے۔۔۔تجھے عطا فرمایا۔۔۔ہمارا تو کام ہی مانگنے والے کا دامن بھر دینا ہے۔۔۔مگر بات تو یہ ہے کہ کوئی مانگے تو سہی کسی کو مانگنے کا سلیقہ تو آتا ہو۔۔۔میرے پیر و مرشد شاہ جی حضور اپنی کتاب سراغِ زندگی میں فرماتے ہیں کہ "دعا اور مناجات کو، التجا اور تمنا، تضرع اور گریہ کو اور طلب اور جستجو کو حضور ﷺ نے عبادت کا مغز قرار دیا ہے"۔۔۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ دعا سے تقدیر بدلتی ہے۔۔۔اس کے سوا کوئی عبادت اور کوئی طریقہ ایسا نہیں ہے کہ جس میں انسان خود پر لکھ دی گئی تقدیر پر اثر انداز ہو سکے۔۔۔یہ صرف دعا ہے کہ جس سے قبول کیے جانے کی صورت میں اللہ رب العزت انسان کی تقدیر میں انسان کی خواہش پر ردو بدل کرتا ہے۔۔۔دعا قبول ہو جانے کے بعد مانگنے والے کے حالات و واقعات اس کی ذہنی حالت اور اس کے ارد گرد موجود کرداروں میں انتہائی غیر محسوس انداز سے تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں۔۔۔مانگنے والے کی شدتِ مانگ، دعا کو طاقت ور بنا دیتی ہے اور جب یہ دعا قبول ہوتی ہے تو بسا اوقات مانگنے والے کا سارا ماحول حتیٰ کے زندگی بھی بدل جاتی ہے۔۔۔دعا ایک بہت بڑی طاقت ہے۔۔ یہ بہت بڑا ہتھیار ہے اسے بنا سوچے سمجھے استعمال نہیں کرنا چاہیے۔۔۔یہ بندے کی خالق تک رسائی کا ذریعہ ہے۔۔۔حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد پاک ہے کہ "دعا مومن کی ڈھال ہے"

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے ہمیں بہت سی دعائیں عطا فرمائی ہیں ان دعاؤں میں سندِ قبولیت موجود ہے۔۔۔ان دعاؤں کو اپنی ذاتی دعاؤں میں شامل کرنا ضروری ہے۔۔۔تا کہ ہماری دعاؤں کو بھی معراجِ قبولیت مل سکے۔۔۔قرآن و حدیث میں انبیاء اکرام کی بہت سی خوبصورت دعائیں ہیں اپنے مزاج اور ضرورت کے مطابق کچھ دعائیں لازمی صبح شام اور نمازوں کے بعد پڑھنی چاہییں کہ بے شمار ایسی ضروریات اور مسائل ہیں کہ جن کا انسان کو خود ادراک نہیں۔۔۔یہ دعائیں انسان کو ان تمام مسائل اور مصائب و آلام سے بچاتی ہیں کہ جن سے وہ بے خبر ہوتا ہے۔۔۔سنن ابی داؤد میں حدیث مبارکہ ہے کہ اللہ کے نبی حضرت محمد ﷺ نے یہ دعا ارشاد فرمائی۔۔۔جس کا ترجمہ یہ ہے۔۔۔

"اے اللہ میں کسی مکان یا دیوار کے اپنے اوپر گرنے سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔میں اونچے مقام سے گر پڑنے سے تیری پناہ مانگتا ہوں ۔میں ڈوبنے، جل جانے اور بہت بوڑھا ہو جانے سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔میں پناہ مانگتا ہوں کہ موت کے وقت شیطان گمراہ کر دے۔میں اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ تیری راہ میں پیٹھ دکھا کر بھاگتے ہوئے مارا جاؤں اور اس بات سے تیری پناہ مانگتا ہوں کہ کسی زہریلے جانور کے کاٹنے سے میری موت آئے"

اس طرح دعاؤں کی اور بہت سی اقسام ہیں جو دنیا و آخرت میں انسان کو کامیاب و کامران کرنے میں اس کی بے کراں مدد کرتی ہیں۔چند قرآنی دعائیں ملاحظہ ہوں:

☆ اے ہمارے رب ! جب تو ہم کو ہدایت کر چکا تو ہمارے دلوں کو نہ پھیر اور اپنے ہاں سے ہمیں رحمت عطا فرما بے شک تو بہت زیادہ دینے والا ہے۔

(آل عمران: ۸)

☆ کوئی عبادت کے لائق نہیں سوائے تیرے۔۔۔ پاک ہے تو، بے شک میں اندھیروں میں ڈوب جانے والوں میں سے ہوں۔۔۔

(الانبیاء: ۸۷)

☆ اے میرے رب! تو میری طرف جو بھی نعمتیں اتارے میں ان کا سب سے بڑھ کر حاجت مند ہوں۔۔۔

(القصص: ۲۴)

☆ اے میرے رب! میں تجھ سے مانگ کر کبھی محروم نہیں رہا ہوں۔

(المریم: ۴)

☆ اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی خوب عطا کر اور آخرت میں بھی خوب نواز اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔

(البقرۃ: ۲۰۱)

☆ اے ہمارے رب! ہمارے دلوں میں صبر ڈال دے اور ہمارے قدموں کو ثبات بخش اور کفر کرنے والی قوم کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔۔۔

(البقرۃ: ۲۵۰)

☆ اے ہمارے رب! ہم اپنے آپ پر ظلم کر بیٹھے تو اگر تو نے ہمیں معاف نہ فرمایا اور ہم پر رحمت نہ فرمائی تو ہم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔۔۔

(الاعراف: ۲۳)

☆ اے میرے رب! میرے علم میں اضافہ فرما۔

(طٰہٰ: ۱۱۴)

☆ اے میرے رب! میرے لیے میرے سینے کو کھول دے اور میرے لیے میرا کام آسان کر دے اور کھول دے میری زبان کی گرہ کہ وہ لوگ میری بات کی حقیقت تک پہنچ سکیں۔۔۔

(طٰہٰ: ۲۵ تا ۲۸)

☆ اے ہمارے رب! ہمیں اپنی بیویوں اور اولادوں سے آنکھوں کی ٹھنڈک بخش اور ہمیں تقویٰ والوں کا پیشوا بنا دے۔۔۔

(الفرقان: ۷۴)

☆ مجھے کئی تکلیفوں نے اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے اور تو سب مہربانوں سے بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے۔۔۔

(الانبیاء: ۸۳)

☆ اے میرے رب! میرے لیے اپنے پاس جنت میں گھر بنا۔

(التحریم: ۱۱)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو بندہ صبح و شام تین مرتبہ یہ کلمات پڑھ لیا کرے اسے کوئی ناگہانی بلا نہ پہنچے گی:

بِسمِ اللہِ الذی لا یضُر مع اسمہٖ شئی فی الارضِ ولا فی السماء وھُو السمیعُ العلیمہ

''اللہ کے نام سے جس کے نام کے ساتھ آسمان یا زمین میں کوئی چیز نقصان نہیں دے سکتی اور وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ (ترمذی)

اپنے حالات کے مطابق دعائیں منتخب کر کے روزانہ ان دعاؤں کو پڑھنا بہت ہی خیر و خوبی کا باعث ہے۔ دعا کی تسبیح بھی کی جا سکتی ہے۔ بے شمار ایسی دعائیں قرآن و حدیث میں جواہرات کی طرح چمکتی ہیں لیکن طوالت کے پیش نظر سب کا پڑھنا ممکن نہیں۔ بہر حال ذرا سی کوشش سے ہر دعا قرآن و حدیث میں آپ کو موجود ملے گی۔ دعائیں مانگنے کے ساتھ ساتھ اپنے نفس کے کردار کی بہتری کے لیے ہمہ وقت کوشاں رہنے سے ہی دیرپا اور موثر ترین نتائج کی امید رکھی جا سکتی ہے۔

بقیہ: ''حضرت سخی سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ''

اس ذمہ داری کی وجہ سے آپ رحمۃ اللہ علیہا کو کبھی شورکوٹ سے باہر نکلنے کی فرصت ہی نہیں ملی۔

4۔ والدہ محترمہ کے وصال کے وقت سلطان العارفین حضرت سلطان باھوؒ رحمۃ اللہ علیہ چالیس سال یا اس سے زائد عمر کے تھے اور بوقتِ وصال حیات بھی تھے اور موجود بھی تھے۔ انہوں نے یقیناً اپنی والدہ محترمہ کو اپنے آبائی شہر اور اپنے والد محترم کے پہلو میں ہی دفن کیا ہوگا نہ کہ کسی دور دراز علاقہ میں لے گئے ہوں گے۔ مندرجہ بالا تمام دلائل یہ حقانیت ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں کہ والدہ محترمہ سلطان باھوؒ رحمۃ اللہ علیہ کا مزار مبارک شورکوٹ میں ہی ہے لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ قبرستان بیبیاں جو اَب ملتان شہر کے ریلوے سٹیشن کے جنوب میں واقع ہے اور بی بی پاک دامن یا پاک مائی کے قبرستان کے نام سے مشہور ہے اس میں ''بی بی راستی'' کا فیروزی رنگ کی کاشی کی خوبصورت اینٹوں کا تعمیر شدہ قدیم مزار مبارک موجود ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھوؒ رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ محترمہ بی بی راستی رحمۃ اللہ علیہا شورکوٹ میں مدفون ہیں تو یہ بی بی راستی کون ہیں جو یہاں مدفون ہیں؟

تحقیق کے مطابق حضرت بی بی راستی رحمۃ اللہ علیہا جو یہاں مدفون ہیں وہ فرغانہ کی شہزادی تھیں اور اپنے والد سلطان جمال الدین محمد الفرغانی کے ہمراہ سہروردی سلسلہ کے مشہور بزرگ حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کے لیے آئی تھیں۔ سلطان جمال الدین محمد الفرغانی نے حضرت بہاؤالدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ مبارک پر بیعت کر لی اور اُن کے حلقہ ارادت میں شامل ہو گئے۔ اُن کی صاحبزادی شہزادی بی بی راستی کی شادی حضرت بہاؤالدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بڑے صاحبزادے حضرت صدرالدین عارف رحمۃ اللہ علیہ سے کر دی اور عصمت مآب اور پاک دامن کا لقب عطا فرمایا۔ آپ پاک مائی بی بی پاک دامن کے لقب سے مشہور ہوئیں اور انہی بی بی راستی رحمۃ اللہ علیہا کے بطن مبارک سے حضرت شیخ رکن الدین ابوالفتح رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ شہزادی بی بی راستی رحمۃ اللہ علیہا کا وصال 695ھ میں ہوا اور قبرستان بیبیاں میں دفن ہوئیں۔

ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی ''پاکستان میں صوفیانہ تحریکیں'' میں ان بی بی راستی کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

حضرت رکن الدین ابوالفتح عظیم المرتبت پیر طریقت تھے..... حضرت صدر الدین عارف کے فرزند اور حضرت غوث بہاؤ الدین زکریا ملتانی کے پوتے تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ ماجدہ کا نام بی بی راستی تھا جو زہد و تقویٰ کی وجہ سے اپنے وقت کی رابعہ بصری کہلاتی تھیں۔ انہوں نے اپنے سسر حضرت بہاؤ الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ سے روحانی و باطنی تعلیم و تربیت حاصل کی تھی۔ قرآنِ مجید کی تلاوت سے انہیں خاص شغف تھا۔ روزانہ کلامِ مجید ختم کرتی تھیں۔

(فصل پنجم۔ صفحہ 389)

قبرستان بیبیاں (قبرستان بی بی پاک دامن یا پاک مائی) میں مدفون بی بی راستی رحمۃ اللہ علیہا حضرت بہاؤالدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی بہو، حضرت صدر الدین رحمۃ اللہ علیہ کی زوجہ محترمہ اور حضرت رکن الدین ابوالفتح رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ ماجدہ ہیں۔

یہ سہو صاحب ''مناقبِ سلطانی'' سلطان حامد صاحب سے کیونکر ہوا؟ اس سلسلہ میں عرض ہے کہ مناقبِ سلطانی کی تصنیف کے دوران سلطان حامد ملتان تشریف لے گئے تھے اور بی بی راستی رحمۃ اللہ علیہا کے مزار پر حاضری دی تھی جس کا ذکر انہوں نے مناقبِ سلطانی میں بھی فرمایا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ نام کی مماثلت کی وجہ سے اُن سے یہ سہو ہو گیا ہو۔ سلطان العارفین حضرت سلطان باھوؒ رحمۃ اللہ علیہ کے مستند سوانح نگار اس پر متفق ہیں کہ سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھوؒ رحمۃ اللہ علیہ کے والد اور والدہ محترمہ کے مزارات وہی ہیں جو شورکوٹ میں ''مزارات مائی باپ'' کے نام سے مشہور و معروف ہیں۔

صبح پڑھو قرآن، شام پڑھو قرآن

قرآن پاک کے نہایت مؤثر پیغامات

ماسٹر احسان الٰہی قصور

قسط 27

74۔قرآن اور نماز

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر نماز کی ترغیب دلائی گئی ہے۔کہیں زکوٰۃ کی ادائیگی کے ساتھ اقامتِ نماز کا حکم دیا، کہیں متقی و پرہیز گار لوگوں کی یہ صفت بیان کی کہ وہ نماز قائم کرتے ہیں ، کہیں نمازوں کی حفاظت کا حکم دیا، کہیں فرمایا کہ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دو اور خود بھی اس پر جمے رہو۔کہیں ارشاد فرمایا گیا کہ میری یاد کے لیے نماز قائم کرو، حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیا کرتے تھے اور حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو وصیت فرمائی کہ اے میرے بیٹے ! نماز قائم رکھنا۔

نماز کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ صرف نماز ہی وہ عمل ہے جس کی پابندی کا حکم نابالغ بچوں کے لیے بھی ہے چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اپنے بچوں کو نماز کا حکم دو جب وہ سات سال کے ہوں اور جب وہ دس سال کے ہو جائیں تو انہیں نماز چھوڑنے پر مارو تاہم یہ یاد رہے کہ بچوں کو نماز کا حکم تربیت کے لیے ہے وجوب کے لیے نہیں کیونکہ یہ بلوغت تک بچے مکلف ہیں جیسا کہ رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا کہ تین آدمیوں سے (گناہ لکھنے کا) قلم اٹھا لیا گیا ہے، سونے والے سے اس کے بیدار ہونے تک ، بچے سے اس کے بالغ ہونے تک اور پاگل یا مجنون سے اس کے سمجھدار ہونے تک۔

قرآنِ مقدس میں نماز کا حکم، اس کی تاکید، اس کی پابندی اور اس پر کاربند رہنے والوں کی فضیلت کا کثرت سے ذکر کیا گیا ہے۔اس کثرتِ ذکر سے ہی نماز کی اہمیت کا اندازہ بخوبی کیا جا سکتا ہے۔ارشاد ہوتا ہے:

''اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو''۔
(البقرہ:43)

ایک اور جگہ ارشاد ہوا:

''اور اسی کی طرف رجوع کرتے ہوئے اور اسی کے لیے تقویٰ قائم کرو اور نماز درست درست ادا کرو اور مشرکوں سے نہ ہو جاؤ''۔
(الروم 31)

سورۃ البقرہ آیت نمبر 238 میں ارشادِ ربانی ہے:

''حفاظت کرو سب نمازوں کی اور درمیانی نماز کی اور اللہ کے حضور باادب اور سراپائے عجز بن کر کھڑے ہو''

مفکرِ اسلام ، مفسرِ قرآن حضرت پیر سید ریاض حسین شاہ صاحب نے تبصرہ کے عنوان سے اپنی حکمت افروز تفسیر میں رقمطرازی کرتے ہوئے لکھا کہ قرآن مجید کی اس آیت میں نماز کی اہمیت اور فضیلت بیان کی گئی ہے ۔ محافظت کا معنیٰ یہی ہوتا ہے کہ نمازوں پر دوام اور مواظبت برتی جائے ۔ نماز کی ادائیگی باجماعت ہو ۔ اس کے ارکان صحیح ادا کیے جائیں ۔ اوقاتِ صلوٰۃ کا خاص لحاظ رکھا جائے ۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ نمازوں کی حفاظت کے لیے لفظ باب مفاعلہ سے لایا گیا ہے جس میں معاملہ دونوں طرف سے ہونے کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔لفظ میں حکمت روحانی یہ ہے کہ وہ شخص جو نماز کی ہر طرح حفاظت کرتا ہے۔نماز بھی اس کی حفاظت کرتی ہے۔ نمازی کے لیے نماز روحانی قلعہ ہوتا ہے ۔ اس کی عظمت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اسے حضور ﷺ نے اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک قرار دیا ہے۔

''اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم فرمایئے اور اس پر خود بھی مضبوط رہیے''۔
(طٰہٰ 132)

''بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور اچھے عمل کیے اور نماز کو قائم رکھا اور زکوٰۃ دیتے رہے۔ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور نہ ان پر کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے''۔ (البقرہ 277)

حضرت قبلہ شاہ جی تفسیر تبصرہ میں رقمطراز ہیں کہ اس آیت میں یہ بتا دیا گیا کہ دنیا میں ایسے عظیم الفطرت لوگ بھی موجود ہیں جو خود پرستی اور سنگ دلی سے دور بہت دور فطری جذبوں کی خوشبو میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ایسے لوگوں کا رابطہ اپنے اللہ سے موجود رہتا ہے ۔ وہ نماز قائم کرنے کی عادت سے مزین ہوتے ہیں اور ضرورت مندوں اور مفلسوں کے کام آتے رہتے ہیں ۔ وہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اعمالِ صالحہ ان کی فطرت کو معصوم بنا دیتے ہے ۔ وہ نازک احساس کے لوگ اپنی روزی کو میلا نہیں ہونے دیتے۔ ان کی زندگی بہاراں بہاراں ہوتی ہے۔ان کی ادائیں اور عملی گواہیاں اس حقیقت کو بے نقاب کر دیتی ہیں کہ ایسے لوگوں کے لیے اللہ کے پاس عظیم اجر موجود ہے احساسات و جذبات کی طہارت انہیں ہر معاملہ میں لاخوف کر دیتی ہے۔کوئی فکر اور کوئی اندیشہ ان کی روح کو زخمی نہیں کرتا ہے۔وہ اللہ کے دوستوں ایسی زندگی بسر کرتے ہیں۔(تبصرہ سے ماخوذ)

ایک اور جگہ ارشاد ہوا:

''اور وہ لوگ جو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ اس کتاب کو بھی مانتے ہیں اور وہ اپنی نمازوں کی حفاظت بھی کرتے ہیں''۔ (انعام 92)

آیت کا یہ حصہ قرآن کا ہدف بیان کرتا ہے کہ اس کا نزول اس لیے ہوا ہے کہ ام القریٰ یعنی مکہ معظّمہ اور اس کے گردا گرد بسنے والوں کو حسنِ عاقبت اور حسنِ آخرت کے منافع بتائے جائیں اور برے انجام سے ان لوگوں کو ڈرایا جائے۔ اس آیت میں رہبری اور راہنمائی کے نور سے سلوکِ حیات کے مراحل روشن کر دیے گئے کہ وہ لوگ جو قیامت کے دن اور حساب و کتاب کو تسلیم کرتے ہیں اور اجزائے اعمال پر ان کا عقیدہ ہے۔ انہیں اس کتاب کی حقانیت مان کر نمازوں کی حفاظت کی طرف بڑھنا چاہیے۔ مقصد کی عظمت خیر انجام کی فضیلت کی کنجی ہے۔ (تبصرہ سے اقتباس)

سورۃ البقرہ آیت نمبر 45 میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''اور مدد گار بناؤ اپنا صبر اور نماز کو، بلاشبہ یہ ایک بھاری سا کام ہے مگر فرماں بردار دل رکھنے والوں پر یہ گراں نہیں گزرتا''۔

استعانت کا مطلب مدد طلب کرنا ہوتا ہے اور مطلق مدد ہر کام میں اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔ یہاں جس استعانت کا ذکر کیا گیا ہے نفسانی خواہشات پر کنٹرول حاصل کرنا اور نماز کی روحانیت اور برکت سے استقامت کا حصول ہے۔ استعانت کے حکم سے دو تصور سامنے آتے ہیں، ایک تو یہ کہ انسان ہمیشہ دشمن کے حملے کی زد میں رہتا ہے اور دوسرا یہ کہ انسان بذاتِ خود کمزور، ضعیف اور ناتواں ہے۔ شیطان کے خلاف صبر، عاجزی، مصابرہ اور نماز کے ذریعے اللہ کے ساتھ مرابط ہونے کی برکت سے شدائد اور مشکلات کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ حضور ﷺ کو جب کوئی امر غم میں ڈالتا تو آپ نماز میں مشغول ہو جاتے۔ آیت میں کہا گیا کہ نماز مشکرین اور منکرین پر بھاری ہوتی ہے جب کہ یہ عاشقین اور خاشعین پر بھاری نہیں ہوتی، اس لیے کہ وہ نماز میں مناجات کے اندر مشغول ہوتے ہیں اس لیے انہیں تکالیف اور مشقتوں کا احساس ہی نہیں رہتا۔ (تبصرہ)

سورۂ انفال کی آیت نمبر 3 میں ارشاد ہوا:

''(یہ ایمان والے وہ ہیں) جو نماز قائم رکھتے ہیں اور اس سے جو ہم نے انہیں بخشا ہے، خرچ کرتے ہیں''۔

حضرت قبلہ شاہ جی نے اپنی تفسیر ''تبصرہ'' میں حافظ ابن کثیر کا حوالہ دیتے ہوئے تحریر فرمایا کہ منافقین کے دلوں میں اللہ کے فرائض کی ادائیگی کے وقت ذکر اللہ سے وہ کامل محروم ہوتے ہیں۔ وہ آنکھوں سے اوجھل ہوں تو نماز ادا ہی نہ کرتے ہیں اور اپنے اموال کی زکوۃ بھی نہیں دیتے ہیں۔ اللہ نے انہیں کہا کہ وہ مومن نہیں اور پکے مومنوں کی نشانیوں میں یہ امور ذکر کیے کہ اللہ کی یاد کے وقت ان کے دل لرز جاتے ہیں۔ تلاوت کے وقت ان کی تصدیق بڑھ جاتی ہے۔ وہ اللہ پر بھروسہ رکھتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور اپنے اموال اللہ کے لیے کھپا دیتے ہیں۔

نماز کی تاکید

سورۃ المدثر آیت نمبر 43,42 میں ہے:

''(جنتی مجرموں سے سوال کریں گے) تمہیں کس چیز نے دوزخ میں جا پہنچایا، وہ بولے ہم نمازیوں میں سے نہ تھے''۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''کسی شخص اور اس کے کفر اور شرک کے درمیان فرق نماز کو ترک کرنا ہے'' (صحیح مسلم)

یعنی نماز کو ترک کرنا کافروں اور مشرکوں کا کام ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''بندہ سے قیامت کے دن سب سے پہلے جس چیز کا حساب لیا جائے گا وہ نماز ہے اگر وہ مکمل ہوئی تو مکمل لکھی جائیگی اور اگر اس میں کچھ کمی ہوئی تو کہا جائے گا دیکھو کیا اس کی کچھ نفلی نمازیں ہیں جن سے اس کے فرض کی کمی کو پورا کر دیا جائے پھر باقی اعمال کا اسی طرح حساب لیا جائے گا'' (سنن نسائی)

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''جس دین میں نماز نہ ہو اس میں کوئی خیر نہیں''۔ (مسند احمد بن حنبل)

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی رحمت عالم ﷺ نے فرمایا:

''سات سال کی عمر میں اپنے بچوں کو نماز پڑھنے کا حکم دو اور دس سال کی عمر میں ان کو سرزنش کر کے ان سے نماز پڑھواؤ، اور ان کے بستر الگ کر دو''۔ (سنن ابی داؤد)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتی ہیں کہ جس مرض میں رسولِ کریم ﷺ کا وصال ہوا اس میں آپ بار بار فرماتے تھے! نماز اور غلام۔ (سنن ابی ماجہ)

ابو عثمان بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک درخت کے نیچے کھڑا تھا، انہوں نے ایک خشک شاخ پکڑ کر اس کو ہلایا حتیٰ کہ اس کے پتے گرنے لگے، پھر انہوں نے کہا: ''اے ابو عثمان! کیا تم مجھ سے سوال نہیں کرو گے کہ میں نے ایسا کیوں کیا؟ میں نے عرض کیا آپ نے ایسا کیوں کیا؟ آپ نے فرمایا میں ایک دفعہ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ ایک درخت کے نیچے تھا۔ آپ ﷺ نے بھی درخت کی خشک ٹہنی کو پکڑ کر اسی طرح کیا تھا جس سے اسی ٹہنی کے پتے جھڑ گئے تھے۔ پھر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ سلمان پوچھتے نہیں ہو کہ میں نے اس طرح کیوں کیا؟ میں نے عرض کیا کہ حضور! آپ ہی ارشاد فرما دیجیے کہ اس عمل کی وجہ کیا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا'' جب مسلمان اچھی طرح وضو کرتا ہے اور اس کے بعد نماز پنجگانہ ادا کرتا ہے تو اس کے گناہ اسی طرح (اس کے وجود سے) جھڑ جاتے ہیں جیسے یہ برگ ہائے درخت گر گئے ہیں، پھر اس کے بعد قرآن پاک کی آیت مبارکہ تلاوت فرمائی ''اور دن کے دونوں طرف نماز قائم کیجیے اور کچھ رات کے ایک حصہ میں، بے شک نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں یہ یاد گری والوں کے لیے نصیحت ہے''۔

(سورۂ ھود: 114) (سنن نسائی، احمد، طبرانی)

حضور اکرم ﷺ کا طریقہ تبلیغ اور اسلوب تعلیم و تربیت نہایت سادہ، دلنشین اور حکیمانہ اسلوب پر مبنی ہے۔ آپ بسا اوقات اپنی بات کو تمثیل کے ذریعے سمجھاتے۔ مذکورہ حدیث میں آپ نے اپنی ادا سے ایک عملی ماحول تشکیل دیا اور جھڑتے ہوئے پتوں سے گناہوں کے ساقط ہونے کے عمل کی تمثیل پیش کی۔ دیکھنے اور سننے والے بالعموم ایسی مثال کو فراموش نہیں کرتے۔ حضرت سلمان نے بھی اسے یاد رکھا اور اس کا ابلاغ کرتے ہوئے محض واقعہ بیان کرنے پر

اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنے محبوب پیغمبر کی اداؤں کو بھی دہرایا۔

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک اور تمثیل کے ذریعے نماز پنجگانہ کی افادیت کو بیان فرمایا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی معظم و محتشم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

''بتاؤ اگر کسی شخص کے دروازہ پر ایک نہر جاری ہو جس میں وہ پانچ مرتبہ روزانہ وضو یا غسل کرتا ہو، کیا اس کے بدن پر کچھ میل کچیل باقی رہ جائے گا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ کچھ بھی باقی نہیں رہے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''یہی حال پانچ نمازوں کا ہے کہ اللہ جل مجدہ الکریم ان کی وجہ سے گناہوں کو زائل فرما دیتے ہیں''۔

(بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

فضیلت صلوٰۃ اور احادیثِ مبارکہ

جس طرح قرآن مجید میں نماز کا کثرت سے ذکر کیا گیا ہے۔ اس طرح حدیث مبارکہ کا ذخیرہ نماز کی فضیلت، اہمیت اس کے متعلقہ مسائل کے ذکر سے معمور ہے، احادیث مبارکہ میں نماز ہی کو مرکزِ عبادات کا درجہ حاصل ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے روز لوگوں سے ان کے اعمال میں سے سب سے اول حساب نماز کا لیا جائے گا۔ (سنن ابی داؤد) یہی حدیث مبارکہ الفاظ کے معمولی اختلاف کے ساتھ جامع الترمذی میں بھی موجود ہے جبکہ سنن نسائی میں یہ الفاظ بھی شامل ہیں: ''سو اگر نماز کا معاملہ درست ٹھہرا تو وہ بندہ فلاح و نجات پا گیا اور یہی معاملہ بگڑ گیا تو وہ نامراد اور خسارہ پانے والا ہوا'' (سنن نسائی) امتحان کی پہلی منزل میں کامیابی نصیب ہو جائے تو یہ اگلی منزلوں میں بھی نجات کی نوید ثابت ہو گی اور اگر خدانخواستہ پہلے مرحلے ہی میں لغزش سامنے آ جائے تو اس کے اثرات آئندہ کے لیے بھی بڑے ضرر رساں اور مہلک ثابت ہو سکتے ہیں۔

حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وصال فرماتے ہوئے جو آخری کلام فرمایا وہ تھا الصلوٰۃ، الصلوٰۃ اور یہ کہ تم اپنے غلاموں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا۔

(سنن ابی داؤد)

حضور رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک فریضۂ صلوٰۃ کی کتنی اہمیت ہے کہ آپ نے دنیا سے جاتے ہوئے بھی اس کی تاکید بلکہ تاکید بالائے تاکید کو انتہائی ضروری سمجھا۔ تعلق باللہ کی اس استواری کے ساتھ آپ نے اس وقت معاشرے کے سب سے کمزور اور زیر دست طبقے یعنی غلاموں کی خیر خواہی کا پیغام بھی ارشاد فرمایا۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بڑے انہماک اور استواری سے نماز ادا فرماتے یہاں تک کہ آپ کے دونوں قدم زخمی ہو جاتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ یہ کچھ کر رہے ہیں حالانکہ آپ کے لیے بخشش لکھ دی گئی ہے۔ آپ پہلے بھی گناہوں سے محفوظ رہے ہیں اور آئندہ بھی رہیں گے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: ''کیا میں اپنے رب تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں''۔ (بخاری)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''نماز دین کا ستون ہے''۔

(شعب الایمان)

آنکھوں کی ٹھنڈک نماز

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا، نماز آپ کے لیے محبوب بنا دی گئی ہے۔ لہٰذا آپ اس میں سے جتنا چاہیں اپنا حصہ وصول فرما لیں۔ (احمد، طبرانی)

حضرت عبد اللہ بن عباس ہی سے روایت ہے کہ حضور جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دن جلوہ افروز تھے اور لوگ بھی آپ کے گرد حلقہ بنائے ہوئے تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو کسی نہ کسی عمل کا زیادہ شوق عطا فرمایا ہے، مجھے رات کو نماز پڑھنے سے زیادہ رغبت ہے۔ اس لیے جب میں اپنی رات کی نفل نماز کے لیے کھڑا ہو جاؤں تو کوئی میرے پیچھے نماز نہ پڑھے'' (کیونکہ طوالت کی وجہ سے اس کے لیے اقتداء مشکل ہو جائیگی)۔ (طبرانی)

اللہ رب العالمین کے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس ذوق شوق اور انہماک سے نماز میں مشغول رہا کرتے تھے اس بارے میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نفل نماز میں شریک ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورۂ بقرہ شروع فرمائی۔ میں نے سوچا سو آیتوں پر رکوع کر دیں گے لیکن آپ پڑھتے رہے، پھر میں نے کہا آپ اس سورۃ کو دو رکعتوں میں پڑھیں گے لیکن آپ پڑھتے رہے، پھر میں نے سوچا آپ اسے ختم کر کے رکوع کر دیں گے لیکن آپ نے سورۂ نساء شروع کر دی، اسے ختم کر کے سورۂ آلِ عمران شروع کر دی اور اسے بھی پورا پڑھ لیا۔ آپ ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرتے تھے، جب آپ کسی ایسی آیت کی تلاوت فرماتے جس میں تسبیح کا ذکر ہوتا تو آپ سبحان اللہ کہنے لگتے، جب خوف والی آیت سے گزرتے تو آپ پناہ مانگتے، پھر آپ نے رکوع کیا اور **سبحان ربی العظیم** کا ورد کرنے لگے۔ آپ کا رکوع قیام جیسا طویل تھا۔ پھر **سمیع اللہ لمن حمدہ** فرما کر کھڑے ہو گئے اور تقریباً رکوع جتنا کھڑے رہے، پھر سجدہ کیا اور **سبحان ربی الاعلیٰ** کہنے لگے۔ آپ کا سجدہ بھی قیام جتنا ہی طویل تھا۔ (مسلم)

دوسری روایت میں ہے کہ حضور نے چار رکعت ادا فرمائی، میں نے نماز کے بعد حضور سے عرض کی کہ میں بھی آپ کے پیچھے تھا۔ آپ نے فرمایا تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا، میں نے عرض کیا قسم اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا، اب تک میری کمر میں درد ہو رہا ہے۔ آپ نے فرمایا میری توجہ تمہاری طرف ہوتی تو میں نماز کو مختصر کر دیتا۔ (طبرانی)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شوق نماز

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ خوبصورت اور پُرسوز نماز اور کس کی ہو سکتی ہے؟ کون ہے جو آپ سے زیادہ اللہ کی معرفت کا جویاں ہو اور آپ سے زیادہ نماز کی روحانی اسرار اور معنویت سے واقف ہو۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تو اس کیفیت کی اس طرح عکاسی فرماتی ہیں کہ نماز کا وقت شروع ہو جاتا تو یوں محسوس ہوتا کہ آپ ہمیں پہنچانتے ہی نہیں ہیں۔ کبھی کبھی آپ پر نماز کے دوران رقت طاری ہو جاتی، چشمِ مبارک سے موتیوں کی لڑی بہنے لگتی، ایک صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز کی منظر کشی کچھ یوں کی: ''میں نے دیکھا کہ رسولِ رحمت معظم و محتشم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چشم ہائے مبارک سے آنسو جاری ہیں، روتے روتے ہچکیاں بندھ گئی ہیں، ایسا معلوم ہوتا کہ

گویا کوئی چکی چل رہی ہے یا کوئی ہنڈیا ابل رہی ہے، رات کی خلوتوں میں آپ جس سوز و گداز کے ساتھ اللہ کے حضور حاضر ہوتے اور جس انہماک سے قیام فرماتے اس کا ادراک سورۂ مزمل کی تلاوت سے ملاحظہ کیا جاسکتا ہے''۔ (ترمذی)

رات کی نماز میں آنحضرت ﷺ پر عجیب کیفیت، ذوق وشوق کا عالم طاری ہوتا تھا، قرآن پڑھتے چلے جاتے، جب خدا کی عظمت و کبریائی کا ذکر آتا تو سبحان اللہ کہتے، عذاب کا ذکر آتا تو پناہ مانگتے، جب رحم وکرم کی آیتیں لبِ مبارک سے تلاوت ہوتیں تو دعا کرتے۔ آپ نے ارشاد فرمایا رات کی نفل دو دو رکعت کر کے اور ہر دوسری رکعت میں تشہد ہے۔

(مسند احمد بن حنبل)

اور تضروع وزاری، خشوع وخضوع اور عاجزی ہے اور ہاتھ اٹھا کر ''اے ربّ، اے ربّ'' کہنا ہے۔ جس نے ایسا نہ کہا تو اس کی نماز ناقص رہی۔ (ابوداؤد)

آپ خود بھی نماز کے جملہ آداب بجا لاتے اور دوسروں کو بھی ان کی تعلیم فرماتے۔ ایک بار کسی شخص نے مسجد نبوی میں آ کر نہایت عجلت اور تیزی میں نماز پڑھی، آپ ملاحظہ فرما رہے تھے، آپ نے فرمایا: ''اے شخص اپنی نماز پھر پڑھ کیونکہ تو نے نماز نہیں پڑھی''، اس نے دوبارہ نماز اسی طرح ادا کی، آپ نے پھر اسی طرح ارشاد فرمایا جب تیسری بار بھی ایسا ہی ہوا تو اس شخص نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں کس طرح نماز ادا کروں۔ ارشاد ہوا اس طرح کھڑے ہو، اس طرح قرأت کرو اور اس طرح اطمینان اور سکون سے رکوع وسجود کرو۔ (بخاری)

آپ نے ارشاد فرمایا:

''اب تم میں سے کوئی شخص نماز کے لیے کھڑا ہو تو وہ خدا کی طرف پوری طرح متوجہ رہے یہاں تک کہ نماز سے فارغ ہو جائے اور نماز میں ادھر ادھر نہ دیکھو کیونکہ جب تم نماز کی حالت میں ہو خدا سے باتیں کر رہے ہو''۔

(طبرانی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ختم المرسلین ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی اتنی زیادہ عبادت کی کہ آپ کی جلد مبارک کثرتِ ریاضت سے خشک ہو کر پھٹ گئی۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو اگلے پچھلے سارے گناہوں سے محفوظ نہیں فرما دیا آپ نے فرمایا:

''ہاں لیکن کیا میں اپنے پاک پروردگار کا شکر گزار بندہ نہ بنوں''۔ (ابن النجاء)

سجدہ کی برکات

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

''بندہ اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے جب وہ سجدہ کر رہا ہو پس تم سجدہ میں بہت دعا کیا کرو''۔ (صحیح مسلم، سنن داؤد)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا مجھے وہ عمل بتائیں جو اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہو اور اللہ مجھے جنت میں داخل کر دے، آپ خاموش رہے۔ میں نے پھر سوال کیا، آپ خاموش رہے۔ جب میں نے تیسری مرتبہ سوال کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا:

''تم اللہ تعالیٰ کے لیے کثرت سے سجدے کیا کرو کیونکہ تم جب بھی اللہ کے لیے سجدہ کرو گے تو اللہ اس سجدہ کی وجہ سے تمہارا ایک درجہ بلند کر دے گا اور تمہارا ایک گناہ مٹا دے گا''۔ (صحیح مسلم، ترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

''جب ابن آدم تلاوتِ آیات کر کے سجدہ کرتا ہے تو شیطان الگ جا کر روتا ہے اور کہتا ہے ہائے میرا عذاب! ابن آدم کو سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا تو اس نے سجدہ کیا سو اس کو جنت ملے گی اور مجھے سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا تو میں نے انکار کیا سو مجھے دوزخ ملے گی''۔ (صحیح مسلم، سنن ابن ماجہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے ایک طویل حدیث مروی ہے، اس میں رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

''اعضاء سجود کے جلانے کو اللہ تعالیٰ نے دوزخ پر حرام کر دیا ہے''۔ (بخاری، نسائی)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''بندہ کا جو حال اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہے وہ یہ ہے کہ اللہ بندے کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھے اور اس کا چہرہ مٹی میں لتھڑا ہوا ہو''۔

صحابہ کرام کا ذوقِ عبادت

حضور اکرم ﷺ کی پاکیزہ، مبارک اور انسان ساز محبت نے سرزمین عرب میں ایک روحانی انقلاب پیدا کر دیا۔ وہ خطہ زمینی جہاں بتوں کی پرستش ہوتی تھی اور خدا کی یاد تک دلوں سے محو ہو گئی تھی، اس سرزمین کے باسی حضور ﷺ کی تربیت سے عرفان و عبادت کے پیکر بن گئے۔ ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور دلوں کا چین یادِ الٰہی سے وابستہ ہوگا، ان کے ہونٹ ذکر سے تر رہنے لگے۔ ان کے خیالات کا رخ ہمہ وقت رضائے الٰہی کی طرف ہو گیا۔

اللہ ربُ العزت نے قرآن پاک میں ان کے اس ذوق وشوق اور وارفتگی کی خود شہادت دی ہے:

- ایسے لوگ جن کو کاروبار اور خرید و فروخت کی مشغولیت بھی خدا کی یاد سے غافل نہیں کرتی۔
- یہ وہ لوگ ہیں اٹھتے، بیٹھتے اور لیٹے ہوئے بھی اللہ کو یاد کرتے ہیں۔
- یہ وہ لوگ ہیں جن کے پہلو رات کو خواب گاہوں سے علیحدہ رہتے ہیں اور وہ خوف اور امید کی ملی جلی کیفیت کے ساتھ اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں۔
- آپ انہیں دیکھیں گے کہ وہ رکوع میں جھکے ہوئے، سجدہ میں پڑے ہوئے خدا کے فضل اور اس کی رضا کو تلاش کرتے ہیں۔

عرب کے وہ صحرانشیں جو بڑے سخت دل تھے اور کسی کو خاطر میں نہیں لاتے تھے حضور آقا ﷺ کی صحبت سے ان کے دل سوز و گداز سے اس طرح معمور ہو گئے اور خشیتِ الٰہی ان کے دلوں میں اس طرح جاگزیں ہوئی کہ ان کے سامنے جب خدا کا نام لیا جائے تو ان کے دل دہل جاتے ہیں، نبی معظم ومحتشم ﷺ کی صحبتِ صالحہ کا فیضان تھا کہ مکہ میں جہاں صحابہ کرام کے لیے کھل کر اپنے اعلان کا کرنا بھی دشوار تھا وہاں بھی تنہائی اور خلوت ڈھونڈتے تھے اور اپنے ربّ کے حضور میں سجدہ ریز ہو جاتے۔ اہتمام صلوٰۃ کی وجہ سے صحابہ کرام طہارت کا اہتمام کرتے، اپنے جسم اور لباس کو پاک صاف رکھتے۔

حضرت ابو عثمان نہدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں سات راتوں تک حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا مہمان رہا۔ (جاری ہے)

باقی صفحہ 40 پر

اچھے شعر کی خوبیاں

حافظ شیخ محمد قاسم

مولانا الطاف حسین حالی اپنی معروف کتاب ''مقدمہ شعروشاعری'' میں ''اچھے شعر'' کے اوصاف پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اچھا شعر سادہ ہوتا ہے اس میں جوش پایا جاتا ہے اور اس میں معصومیت، حقیقت اور اصلیت کا پرتَو لیے ہوتی ہے۔۔۔ بلاشبہ اشعار کا حسن ان تین چیزوں کا محتاج ہوتا ہے اور نثر اور بیان ان تین حقائق سے لبریز ہوں تو محفل، شخصیت اور تاثر کے رنگ اعجاز ادب کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔سید ریاض حسین شاہ صاحب شاعر نہیں لیکن ان کی زندگی اور اُن کی محفلیں خوبصورت اشعار کی طرح لوگوں کو اپنا گرویدہ بنائے رکھتی ہیں، اُن کے سننے والے جب اُن کی محفل میں ہوں تو دم بخود ہوتے ہیں، ہزاروں کا مجمع لگتا ہے چندنفوس کسی خیمہ میں بیٹھ کر تماشائے حسن کررہے ہیں۔

خیابانِ سرسید کی مسجد کبیر میں محفل کا رنگ عروج پر تھا۔ شاہ جی نے اپنی ذاتی زندگی سے نقاب کشائی فرمائی، گفتگو ہورہی تھی حضور انور ﷺ کی مہر نبوت پر آپ تشریح فرمارہے تھے۔ بخاری کی ایک حدیث بیان کی کہ حضور ﷺ کی مہر نبوت ایسی تھی جیسے ''زرالحجلہ'' چھپر کھٹ کی گھنڈی ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا اسے ''رزالحجلہ'' پڑھا جائے تو مفہوم ہوتا ہے ''چکور کا انڈا'' آپ نے بڑی برجستگی کے ساتھ چکور کی صفات بیان فرماتے ہوئے ایک چھوٹی سی کہانی سنائی:

''جب میں گاؤں میں ابتدائی تعلیم حاصل کرتا تھا یہ ان دنوں کی بات ہے گھر میں غربت اور افلاس نے ڈیرے جمائے ہوئے تھے۔ صبح صبح مکئی کی باسی روٹی قہوہ کے ساتھ کھا کر ککوتری سکول جاتے، واپسی پر اندھیرا چھا جاتا، اس لیے کہ پیدل سفر کرنا پڑتا، والد صاحب گھر نہ تھے اس لیے تعلیم کے ساتھ ساتھ گھر کا کام کاج بھی کرنا پڑتا۔ ایک دن سودا سلف لینے کے لیے جرل گیا۔ میرے ایک ہم نام نے چائے کی دعوت دی، چائے پینے لگا تو دفعتہً آنکھوں سے آنسو آ گئے، میزبان نے استفسار کیا ''پیر جی روتے کیوں ہیں''؟ میں نے بلاتکلف کہہ دیا کہ آجکل والد صاحب گھر نہیں اور مصروفیت کی وجہ سے دودھ دینے والے جانور نہیں اور رشتہ دار ایثار سے محروم ہیں، مجھے اچھی طرح یاد ہے میرے میزبان دوست کے والد نے بکری کھول کر مجھے تھما دی اور کہا پیر جی اگر آپ یہ بکری لے کر گھر نہ گئے تو میری بیوی مجھ پر تین شرط طلاق ہے''۔

ہمارا گاؤں کوٹنالی جرل سے تقریباً پانچ چھ کلومیٹر دور ہوگا۔ عشاء کے وقت ایک ننھے سے بچے نے پچیس تیس کلو سامان سر پر اٹھایا اور بکری کی رسی ہاتھ میں لے کر گاؤں کی طرف نکلا تو موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ ہائے وہ رات کا اندھیرا اور بجلی کی کڑک، گونجتے پہاڑ اور خوف و ہراس کا پیغام دیتے کوہستانی درخت، برگد کے درخت کے نیچے اس کے تنے سے چپک کر دو گھنٹے گذارے، مینہ کھل کر برسا، بارش کچھ تھمی تو میں سامان اٹھائے بکری کے ساتھ گھر کی طرف نکلا تقریباً دو کلومیٹر چلا ہوں گا کہ گھٹائیں چھٹ گئیں اور چاند نے اپنا چہرہ دکھایا۔ اچانک میرے قدموں سے کوئی چیز نکلی اور سیدھی چاند کی طرف بڑھی، اڑان لینے میں اتنی خوفناک آواز پیدا ہوئی کہ میں سہم گیا، بعد میں معلوم ہوا کہ چکور کا جوڑا تھا جو چاند کی روشنی سے مسحور ہو کر اُس کی طرف سیدھی پرواز لے رہا تھا۔۔۔

شاہ جی نے بتایا کہ چکور کی دو قسمیں ہوتی ہیں:

نجدی اور تہامی، نجدی کا رنگ سبز اور ٹانگیں سرخ ہوتی ہیں جب کہ تہامی سبز اور سفید دونوں رنگوں میں ہوتے ہیں۔

تناوُل ہزارہ کی طرف چکور کا رنگ بھورا ہوتا ہے۔ چکور کی مادہ حاملہ ہونے کا ارادہ کرے تو مٹی میں لپٹ جاتی ہے۔ بعض شکاری کہتے ہیں کہ یہ نر کی آواز سے حاملہ ہوجاتی ہے۔ چکور کے انڈوں کو نر سیتا ہے جبکہ مادہ انڈوں کو مادہ ہی سیتی ہے، نر چکور بڑا غیور جانور ہوتا ہے اگر کوئی دوسرا نر چکور اس کی مادہ کی طرف بڑھے تو اتنی سخت لڑائی کرتے ہیں کہ ایک دوسرے کو ہلاک کر دیتا ہے۔ اس کے انڈے بہت خوبصورت ہوتے ہیں۔

اطباء نظر کے دھندلے پن کے لیے چکور کا پِتا بطور سرمہ استعمال کرواتے ہیں۔

ایک مرتبہ حضور ﷺ کو بھنا ہوا چکور پیش کیا گیا اس کے لے عربی میں نحام اور حجل نام مستعمل ہیں۔ اس کے انڈوں کی وجہ سے حضور ﷺ کی مہر نبوت کو ان سے تشبیہ دی گئی۔ چکور کے انڈے میں نے پہلی بار اسی جگہ دیکھے۔ شاہ جی نے اچانک گفتگو کا سلسلہ منقطع کر دیا اور یوں محفل ذکر شروع ہوگئی۔ اللہ اکبر۔۔۔۔!!

سید ریاض حسین شاہ صاحب شاعر نہیں لیکن ان کی زندگی اور اُن کی محفلیں خوبصورت اشعار کی طرح لوگوں کو اپنا گرویدہ بنائے رکھتی ہیں

عبدالغنی تائب کا نعتیہ مجموعہ

گلہائے نعت

تبصرہ محمد سعید احمد بدر قادری المعروف بہ سعید بدر (مرحوم)

عبدالغنی بلند مرتبہ نعت نگاری ہیں۔ اب تک ان کے آٹھ دس نعتیہ مجموعے سامنے آچکے ہیں جن میں بیشتر اردو زبان پر مبنی ہیں لیکن ایک دو پنجابی پر مشتمل ہیں۔ انہیں دونوں زبانوں پر بیک وقت دسترس حاصل ہے۔ دوسری حیران کن قابل فخر بات یہ ہے کہ نعتوں کے ساتھ ساتھ وہ اغلباً واحد شاعر ہیں جن کے چار مجموعے اللہ تعالیٰ کی حمد پر مشتمل ہیں نعت نگاروں کی اکثریت اپنے نعتیہ مجموں میں دو چار حمدیں تبرکاً آغاز کلام میں شامل کر دیتے ہیں لیکن عبدالغنی تائب کا رویہ مختلفا اور منصفانہ ہے۔

پروفیسر محمد اکرم رضا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی میں ان کے زیر نظر نعتیہ مجموعے گلہائے نعت پر ''ارمغان نیاز'' کے عنوان سے اپنے افکار کا اظہار کر دیا تھا جو شامل کتاب ہے ان کے علاوہ ریاض حسین چودھری، ڈاکٹر سید آفتاب احمد نقوی رحمۃ اللہ علیہ، عبد اللہ راتھر، ڈاکٹر ظہور احمد اظہر، ڈاکٹر ہارون الرشید تبسم، پروفیسر ریاض احمد قادری، ڈاکٹر ریاض مجید، غلام مصطفی بسمل، قائم نقوی، اجمل نیازی، ڈاکٹر عصمت اللہ زاہد، اور محمد اقبال نجمی کی قابل قدر آرا بھی شامل ہیں ان سبھی حضرات نے عبدالغنی تائب کی حمدوں اور نعتیہ کے بلند معیار کو سراہا ہے اور فن پر دسترس کی تعریف کی ہے۔

حمد کا شعر ملاحظہ فرمایئے!

مرے فکر و نظر، ذوق آشنا ہیں، تیری مدحت سے
ہے لبوں پر ذکر تیرا تو لبوں پر ہے بیاں تیرا

ایک دوسری حمد کا ایک شعر ہے:

ہے نام آنکھوں کا نور بے شک ہے ذکر دل کا سرور بے شک
ہے تیری یادوں سے فکر و شامہ بہار خلد نعیم مولا

پنجابی حمد کا مقطع دیکھئے!

محمد ﷺ دے صدقے خداوند بخشیں
ہے تائب دا تیرے کرم تے مدار

گویا بخشش و مغفرت کے لئے حضور نبی مکرم و محتشم ﷺ کی شفاعت لازمی و ضروری ہے۔ نعت کا شعر بلکہ عمدہ مطلع پیش نظر ہے۔

اور

پروردگار! آنکھ کو ایسی صفائی دے
ہر وقت جس کو گنبدِ خضرا دکھائی دے

در د زباں ہو ہر گھڑی ذکر مصطفیٰ ﷺ
کانوں میں حمد و نعت ہی ان کی سنائی دے

ایک اور نعت کا شعر مطالعہ کے قابل ہے:

کہنے لگا ہوں نعت میں جب سے حضور کی
شہرہ ہوا ہے چار سو مدحت نگار کا

اس شعر میں کا رنگ نمایاں ہے۔ شعر و شاعری میں کو پسند نہیں کیا جاتا اور نعت میں تو اور بھی معیوب ہے۔ ایک اور شعر بھی کسی حد تک اسی نوع کا ہے۔

ستارہ اپنے مقدر کا ہے بلند تائب
کہ میں نے نعت پیمبر ﷺ کا انتخاب کیا

اسی طرح ایک اور شعر بھی محل نظر ہے۔

ہوں کھڑا تائب! سر ایوان نعت مصطفیٰ
لوگ کیوں ڈرتے ہیں میرا سامنا کرتے ہوئے

صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تحریر کیا ہے کہ شاعری میں تعلی نہیں ہوتی، انداز میں تحدی بھی نہیں ہوتی اور آواز میں تلخی نہیں ہوتی۔ جس کی شاعری ان عیوب سے پاک ہو، اس کے بارے میں گمان کرنا چاہئے کہ اس کی نعت کو شرف قبولیت نصیب ہو گیا ہے۔ لیکن نہ جانے کیوں فیصل آباد، سرگودھا اور گوجرانوالہ مکتب فکر کے شعرا نے تعلی، تعدی اور فخر و مباہات کو اپنا شعار اور وطیرہ بنا لیا ہے۔

اس امر میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ نعت کہنا بہت بڑا اعزاز ہے راقم کے خیال میں یہ اللہ تعالیٰ اور رسول کائنات ﷺ کی خاص عنائت ہے۔ اس لئے عاجزی و انکساری کا شیوہ اختیار کرنا چاہئے اور ادب کو ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے۔

ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں

جس بلند و پایا شخصیت کے دروازے پر حضرت جبرئیل علیہ السلام جیسے بلند مرتبہ فرشتے سر جھکا کر آیا کرتے تھے اور ہم محض نعت کہنے کے شوق میں، ان کے حضور عجز و انکسار سے کام لینے کی بجائے فخر و مباہات کا اظہار کریں تو اس فعل کو بھلا کس طرح پسندیدہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ بہر حال احتیاط لازم ہے۔

دراصل یہ مقام ڈرنے کا ہرگز نہیں، رشک کا ہے، حسد کا بھی نہیں۔

بہر کیف پورے نعتیہ مجموعہ کے اکثر و بیشتر اشعار گراں قدر ہیں اور عمدہ ہیں۔

رقمطراز ہیں:

شہرِ جبرئیل کا لاؤ قلم مدحت کرو
ابتدائے نعتِ ممدوح خدا کرتے ہوئے

عبدالغنی تائب نے بعض دلچسپ تجربات کئے ہیں جو ان کے قادر الکلام شاعر ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

ان کی تین نعتیں ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کی ردیف پر مبنی ہیں اسی طرح تین ہی نعوت، یا رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کی ردیف کی حامل ہیں۔

حضور پرنور سرور کائنات فخر موجودات کے ذاتی اسم گرامی محمد ﷺ کو بھی ردیف کے طور پر استعمال کیا گیا ہے اور اس کے تحت بھی تین نعتیں موجود ہیں۔ اسی طرح ''نعت کا''، ''نعت رسول ﷺ، رسول اکرم، میرا نبی ﷺ''، ''اچھی بھلی اور''، ''مدینہ'' کو ردیف قرار دے کر کم ازکم ایک ایک نعت مجموعہ میں شامل ہے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تائب صاحب جہاں قادر الکلام اور بلند مرتبہ شاعر ہیں، وہاں ان کا نئے نئے تجربات کرنے کا ذوق وشوق فزوں تر ہے۔ اس سے ان کی حب رسول محترم ومکرم ﷺ کا بھی اظہار ہوتا ہے۔ دراصل وہ لکیر کے فقیر نہیں۔

گلہائے نعت میں ایک اور بات کھٹکتی ہے اور وہ یہ ہے کہ پروفیسر محمد اکرم رضا، ریاض حسین چودھری، اور دیگر حضرات کی آراء دو، دو بار دی گئی ہیں۔ تکرار اچھا نہیں لگتا۔

ایک نعت کا مطلع بہت عمدہ ہے۔

کیا شے ہے مدینے کی حسیں خاک سے بڑھ کر
رفعت میں حسیں ہے یہ افلاک سے بڑھ کر

ایک اور شعر ہے:

رتبے میں کہاں انجم و افلاک، فروزاں
طیبہ کی گلی کے خس و خاشاک سے بڑھ کر

اسی طرح ایک نعت کا مطلع بہت دلکش اور دلپذیر ہے۔

رضائے خالق ارض و سما ہے نعت رسول
بنائے عشقِ حبیب خدا ہے نعت رسول

ایک اور نعت کا مطلع بہار دے رہا ہے:

جہاں بھی ذکر وفکر سید ابرار ہوتا ہے
بھنور میں ہو اگر پھنسا تو بیڑا پار ہوتا ہے

ایک اور شعر ہے:

بلا شک اتباع اسوہ شاہِ مدینہ سے
شگفتہ فکر، پختہ سیرت و کردار ہوتا ہے

بہت عمدہ شعر ہے کہ اس میں ذرہ برابر شک وشبہ نہیں کہ سید الابرار، شاہ مدینہ ﷺ کے اتباع اور اطاعت سے انسان کردار اور سیرت میں پختگی اور شگفتگی آتی ہے اور فکر وخیال میں بلندی۔ اسی نوعیت کا ایک اور شعر ہے۔

قرار جاں بلا شک ہے رسول پاک کی نسبت
سکون قلب کا باعث اطاعت کملی والے کی

ایک اور نعت کے دو شگفتہ اور دل نواز شعر ہے:

یہ پرتو آپ ہی کے ہیں ہلالِ ناخنِ پا کا
یہ سورج، چاند اور سب ہی ستارے یا رسول اللہ !
غم دنیا بھلا دیتے ہیں بس اک آپ کے صدقے
مدینے کے حسیں دلکش نظارے یا رسول اللہ !

نعت کے بارے میں تائب صاحب کیا خوب اظہار خیال فرماتے ہیں:

درود و نعت کا نغمہ جو پھوٹے بر بطِ جاں سے
تو اس پر کیف ساعت میں نبی کی نعت ہو جائے

ردیف محمد کے تحت نعت کا شعر دیکھئے:

زمانے بھر کے علوم سارے ہیں علم نبوی کا ایک نقطہ
نہ مخفی کوئی ہے غیب ان سے، علیم کون ومکاں محمد

اسی کا نعت کا مطلع کس قدر دل افروز ہے:

ہیں شافع عاصیاں محمد ﷺ ہیں رحمتِ دو جہاں محمد
انیسِ خستہ دلاں محمد ﷺ پناہ بے خانماں محمد

ایک نعت کا شعر:

چراغ دیدۂ نمناک بھی ہے دم دم روشن
سراپا نعت یہ دل کا نگر یا رسول اللہ

بقیہ: ''صبح پڑھو قرآن، شام پڑھو قرآن''

میں نے دیکھا کہ آپ، آپ کی اہلیہ اور آپ کا خادم تینوں باری باری اٹھ کر عبادت کیا کرتے تھے اور اس کے لیے انہوں نے رات کے تین حصے کیے ہوئے تھے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود کو نماز سے بڑی محبت تھی، وہ زیادہ نفلی روزے نہیں رکھتے تھے۔ عام طور پر مہینے میں تین نفلی روزے رکھتے تھے۔ فرماتے جب میں روزہ رکھتا ہوں تو کمزوری محسوس کرتا ہوں اور نماز میں کمی ہو جاتی ہے اور مجھے نماز سے زیادہ محبت اور رغبت ہے۔

لمحۂ فکریہ

آج ہم اپنے اعمال اور گردوپیش کا جائزہ لیں تو دل خون کے آنسو روتا ہے کہ مسجدیں اور عبادت گاہیں ویران ہوتی جا رہی ہیں۔ مساجد میں پانچ وقت اذان میں نماز کی طرف بلایا جاتا ہے لیکن ہم غفلت زدہ لوگ مسجدوں میں نہیں جاتے۔ ہر محلہ اور بستی میں دو دو تین تین مساجد موجود ہوتی ہیں لیکن نمازی نہیں ہوتے۔ صرف چند عمر رسیدہ افراد ہی نماز پڑھنے کے لیے جاتے ہیں۔ معاشرہ بگاڑ کا شکار ہو چکا ہے۔ کاروباری مصروفیت، ٹی وی ڈراموں، ٹاک شوز، فحش گانوں اور انٹرنیٹ کے منفی استعمال نے خاص طور پر نوجوان نسل کے دل ودماغ کو مختل کر کے رکھ دیا ہے۔ لوگوں کی اکثریت مفاد پرستی، بینک بیلنس، کاروبار میں اضافہ، جائیداد، گاڑیوں، بنگلوں کی حرص کی گھمن گھیریوں میں گھری ہوئی ہے۔ افراتفری اور ہا ہا کار مچی ہوئی ہے۔ اس چند روزہ عارضی زندگی کو بے مقصد معمولات اور غیر فطری رجحانات کی بھینٹ چڑھایا جا رہا ہے۔ ہم فلموں، ڈراموں، چائے کے ٹھیوں پر تفریح کے نام پر روزانہ گھنٹوں وقت برباد کر دیتے ہیں۔ رات کو دیر سے سوتے اور صبح دیر سے اٹھتے ہیں اور چند منٹ پانچ وقت کی فرض کی ادائیگی ہم پر بھاری ہو جاتی ہے۔ حضور آقا ﷺ کے فرمان رات کو جلدی سونے اور صبح جلد اٹھنے کی نصیحت اور حکمت کو ہم نے فراموش کر دیا ہے تو برکت کہاں سے نازل ہوگی اور کبھی ختم نہ ہونے والی ہمیشگی اور آخرت کی زندگی کے بارے میں ہم نے کبھی سوچا ہی نہیں۔ موت کی اٹل حقیقت ہمیں یاد ہی نہیں کہ کب زندگی کی شام ہو جائے۔ روزِ محشر سب سے پہلے نماز کے بارے پرسش ہوگی۔ اگر پہلے ہی سوال اور انٹرویو میں فیل ہو گئے تو آگے کیا کامیابی ملے گی؟

نماز دین کا ستون ہے، نماز جنت کی کنجی ہے، نماز آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، نماز شفاء ہے، نماز سکون اور راحت ہے، نماز راہِ نجات ہے، کافر اور مسلمان میں فرق نماز کا ہے، نماز توشۂ آخرت ہے وغیرہ وغیرہ لیکن نماز ہم پر گراں ہوتی جا رہی ہے۔ بس یہی لمحہ فکریہ ہے۔ اس کی وجہ اسلام اور قرآن سے دوری ہے۔ حضور ﷺ کی تعلیمات اور آپ کے اسوۂ حسنہ سے روگردانی ہے۔ اس کا شافی علاج قرآن سے مربوط ہونے۔ آقا ﷺ کے اسوۂ حسنہ، آپ کی تعلیمات پر دل وجان سے عمل پیرا ہونے میں مضمر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیقات خیر سے نوازے۔

آمین! ثم آمین!

بجاہِ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

(جاری ہے)

محفل ختم
سالانہ
درس قرآن